

فروعی مسائل پر بحث و مباحثہ

حسن بن محمد الصغانی رحمۃ اللہ علیہ

نومولود کے لئے تحنیک (گھٹی دینے) کا مسئلہ

تحریف: یہود و نصاریٰ کا طریقہ

# اللہ کے نبی ﷺ نے حلالہ کرنے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا المعلى بن منصور قال: حدثنا عبد الله بن جعفر، عن عثمان بن محمد الأخنسي، عن المقبري، عن أبي هريرة قال: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحل والمحلل له"  
صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، سلفیۃ: ۲۹۶/۴، وإسناده حسن ومن طریق المعلى أخرجه ابن الجاروفى في "المنتقى" (ص: ۱۷۲) والترمذى في "علاء الكبير" (ت السامرائي: ص: ۱۶۱) ونقل عن البخاري أنه قال: هو حديث حسن۔ وأخرجه أيضا أحمد في "مسنده" (۳۲۳/۲) من طريق أبي عامر كلاهما (المعلى بن منصور وأبو عامر) عن عبد الله بن جعفر به)

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا الفضل بن دكين، عن سفيان، عن أبي قيس، عن هزيل، عن عبد الله قال: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحل والمحلل له"

صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، سلفیۃ: ۲۹۵/۴، وإسناده صحيح وأخرجه أيضا أحمد في "مسنده" (ط الميمنية: ۱/۲۲۸) عن الفضل بن دكين۔ وأخرجه أيضا الدارمي في "سننه" (۱۲۵۰/۳) والنسائي في "المجتبي" (۱۲۹/۶) من طريق أبي نعيم۔ وأخرجه أيضا الترمذى في "سننه" (ت بشار: ۲/۲۱۹) من طريق أبي أحمد۔ كلهم (الفضل بن دكين وأبو نعيم وأبو أحمد) من طريق سفيان به)

(كفايت اللہ السنابلی)

AHL US SUNNAH Volume No.7, Issue No.86, January 2019

جلد: ۷

فی شماره - 30/- Rs.

شماره: ۸۶

سالانہ - 300/- Rs.

جنوری ۲۰۱۹ء

ماہنامہ

# اهل السنة ممبئی

سرپرست: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نگر اس: عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی • نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنابلی

معاونین: ابوالبدیان رفعت سلفی • حافظ اکبر علی سلفی

فورمیننگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی • گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی

• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر: 022-26500400 / 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,  
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph.:022-26500400  
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal  
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,  
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181



05

ایڈیٹر

فروعی مسائل پر بحث و مباحثہ

06

فاروق عبداللہ

حسن بن محمد الصغانی رحمۃ اللہ علیہ

14

کفایت اللہ سنابلی

فرض نمازوں کے بعد اذکار یاد عائیں؟

21

(کفایت اللہ سنابلی)

نومولود کے لئے تحنیک (گھٹی دینے) کا مسئلہ

27

آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کا صحیح معنی و مفہوم اور اعرابی والی روایت کا علمی جائزہ (پہلی قسط)  
فاروق عبداللہ نراین پوری

32

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

تحریف: یہود و نصاریٰ کا طریقہ

36

بقلم: ممتاز احمد السلفی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد

40

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

قوم یہود کے جرائم: قرآن کی زبانی

48

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

صحابہ کرام کی شان میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول بلاشبہ ثابت ہے۔



## فروعی مسائل پر بحث و مباحثہ

ایڈیٹر

قارئین کرام سے وعدہ تھا کہ اس شمارے میں ہم گزشتہ شمارہ کی بحث مکمل کریں گے، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر اس شمارے میں گزشتہ بحث کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اسی لئے اس شمارہ میں ہم دیگر موضوعات پر مضامین شائع کر رہے ہیں، ان شاء اللہ ہماری کوشش ہوگی کہ اگلے شمارے میں ہم اس بحث کی تکمیل کر دیں گے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ فروعی اور اختلافی مسائل پر بحث نہیں کرنی چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ فروعی اور اختلافی مسائل ہی پر تو بحث کی جانی چاہئے۔ ورنہ بتلایا جائے کہ اگر فروعی اور اختلافی مسائل پر بحث نہ کی جائے تو کیا اصولی اور اجماعی مسائل پر بحث و مباحثہ شروع کر دیا جائے؟ حیرت کی بات ہے کہ جو دانشور ان فروعی اور اختلافی مسائل پر بحث سے روکتے ہیں وہ خود اصولی اور اجماعی مسائل میں بحث کے نئے نئے دروازے کھولتے ہیں۔ کوئی مرتد کی سزا کا انکار کر رہا ہے، کوئی عذاب قبر کا مذاق اڑا رہا ہے، کوئی ہر شخص کو مہدی عیسیٰ بننے کی ترغیب دے رہا، کوئی تراویح میں آٹھ اور بیس پر بحث سے روک کر قوم کو یہ سکھا رہا ہے کہ تراویح سرے سے کوئی نماز ہی نہیں ہے۔ فروعی مسائل کو چھوڑ کر اجماعی مسائل پر بحث و نظر ہی کا نتیجہ ہے کہ انکار حدیث کا فتنہ آج ہمارے سامنے ہے بلکہ اب تو انکار حدیث کو بھی پیچھے چھوڑ کر یہ بحث ہونے لگے ہے کہ ایمان بالرسالت کے بغیر بھی جنت میں جانے کا امکان ہے یا نہیں۔ معاذ اللہ! ایک طرف اصولی اور اجماعی مسائل کے ساتھ یہ کھلواڑ اور دوسری طرف یہ معصومانہ نصیحت کہ فروعی اور اختلافی مسائل پر بحث نہیں کرنی چاہئے۔ سبحان اللہ

بعض حضرات فرماتے ہیں فروعی مسائل پر بہت بحث ہو چکی ہے بلکہ فروعی مسائل پر لکھی گئی کتابوں سے فریقین کی لائبریریاں بھر گئی ہیں، اس لئے اب یہ بحثیں بند ہو جانی چاہئیں۔

عرض ہے کہ اس طرح کی بات کرنے والے ایک دو جگہ فروعی مسائل پر عوامی بحث دیکھ کر یہ قیاس آرائی کر لیتے ہیں، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، ہندوستان میں، آئین بالجہر، رفع الیدین، وضع الیدین علی الصدر کو فروعی مسئلہ کہا جاتا ہے، لیکن ہماری ناقص معلومات کی حد تک ان موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر بھی ہندوستانی اہل حدیثوں کی طرف سے ایک سے زائد تصنیف نہیں مل سکتی، بلکہ آئین بالجہر پر تو اب تک یہاں سے ایک کتاب بھی نہیں لکھی گئی ہے، اور ”انوار البدر“ جو ناچیز کی تالیف ہے وہ حال ہی کی طباعت ہے، اور رفع الیدین پر ایک کتاب ہے لیکن وہ لائبریریوں میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی خود میرے پاس بھی اس کی فوٹو کاپی ہی ہے۔ ایسی صورت میں کوئی ہمیں سمجھائے کہ یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ فروعی مسائل پر کتابوں سے فریقین کی لائبریریاں بھر چکی ہیں۔

أبوالفوز ان السناہلی

# حسن بن محمد الصغانی رحمۃ اللہ علیہ

(قدیم غیر منقسم ہندوستان کے ایک ایسے عالم دین جن سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں کافی استفادہ اور نقل کیا ہے)

فاروق عبداللہ بن محمد اشرف الحق نرائن پوری متعلم مرحلہ دکتوراء، قسم فقہ السنہ، کلیۃ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ طیبہ

اس مضمون کے ذیلی اور توضیحی عنوان سے بعض حضرات کو تعجب ہو سکتا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے۔ اس مختصر مضمون کو پڑھنے کے بعد ان شاء اللہ ان کا یہ تعجب دور ہو جائے گا۔

صحیح بخاری کا مقام و مرتبہ کسی ادنیٰ طالب علم پر بھی مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے بہ کثرت علماء کرام نے مختلف نواحی سے اس کی خدمت کی کوشش کی ہے۔ بے شمار علماء کرام نے اس کی شرحیں لکھیں، بعض کو ان میں سے کافی شہرت اور قبولیت بھی حاصل ہوئی، جب کہ بعض اس درجے تک نہ پہنچ سکے۔ ان تمام شروحات میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی شرح ”فتح الباری“ کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ کسی اور شرح کو حاصل نہیں۔

صحیح بخاری کی متعدد روایتیں موجود ہیں، شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی انیس (۱۹) روایتیں ہیں۔ دیکھیں: (روایات ونسخ الجامع الصحیح للدکتور محمد بن عبد الکریم بن عبید: ص: ۲۷)

تمام شارحین نے اپنی شرح میں صحیح بخاری کی کسی خاص روایت پر اعتماد کیا ہے۔ مثلاً امام خطابی نے اپنی شرح ”اعلام الحدیث“ میں ابراہیم بن معقل نسفی کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ امام قسطلانی نے امام یونینی کے نسخہ پر اعتماد کیا ہے۔ وہ لکھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں صحیح بخاری کی جس روایت پر اعتماد کیا ہے وہ ابو ذر ہروی رحمہ اللہ کی روایت ہے۔ انہوں نے اپنے تین مشہور اساتذہ کشمینی، مستملی اور حموی (سرخی) سے اسے روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری کی یہ سب سے مشہور روایات میں سے ہے جس میں متعدد روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ روایت سب سے قدیم ترین روایات میں سے ہے۔ ابو ذر ہروی کے تینوں شیوخ نے اسے امام محمد بن یوسف فزری سے روایت کی ہے۔ لیکن ان تینوں کی ان کے اصل نسخہ تک رسائی نہ ہو سکی تھی۔



ابو ذر ہروی کی روایت پر اعتماد کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دیگر متعدد روایات سے بھی کافی استفادہ اور نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم نسخہ امام صغانی رحمہ اللہ کا نسخہ ہے۔ بلکہ ابو ذر ہروی کی روایت کے بعد غالباً صغانی کے نسخے سے ہی سب سے زیادہ انہوں نے استفادہ اور نقل کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں دوسرے روایات کی امام فربری کے اصل نسخہ تک رسائی نہ ہو سکی تھی، وہاں امام صغانی کو متاخر الوفا ہونے کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے امام فربری کا اصل نسخہ مل گیا تھا اور اس اصل نسخہ سے انہوں نے اپنے نسخہ کا مقابلہ بھی کیا تھا۔ دیکھیں: (روایات الجامع الصحیح ونسخہ للدکتور جمعہ فتحی عبد الحلیم: ۸۱/۲-۸۲، ونسخة الامام الصغاني من صحيح البخاري وقيمتها العلمية)

للدكتور احمد بن فارس السلوم، ويب سائٹ ”ملتقى اهل الحديث“ میں منشور بحث)۔

محدثین کے نزدیک امام صغانی کا یہ نسخہ ”نسخہ بغدادیہ“ کے نام سے معروف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”تنبيه: وقع في النسخة البغدادية التي صححها العلامة أبو محمد بن الصغاني اللغوي بعد أن سمعها من أصحاب أبي الوقت، وقابلها على عدة نسخ، وجعل لها علامات“ (فتح الباري لابن حجر: ۱۵۳/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس نسخہ کی کافی مدح سرائی کی ہے۔

مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں: ”دل كلام الصغاني في نسخته التي أتقنها وحررها، وهو من أئمة اللغة“

(فتح الباري لابن حجر: ۵۱۵/۳)

ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ شرف کی بات ہے کہ امام صغانی رحمہ اللہ کا تعلق قدیم غیر منقسم ہندوستان سے ہے جن کے نسخہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جیسے امام جہد اور حافظ امت اپنی سب سے مایہ ناز کتاب ”فتح الباری“ میں نہ یہ کہ صرف نقل کرتے ہیں بلکہ ترجیح کے وقت اعتماد بھی کرتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام صغانی رحمہ اللہ کا مختصر تعارف آپ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ایسے علم دوست حضرات جو ان سے واقف نہیں ہیں انہیں واقفیت ہو سکے۔

متعدد علماء کرام نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں ان کی سوانح حیات کو قلمبند کیا ہے۔ بعض نے بالاختصار اور بعض نے قدرے بالتفصیل۔ جن میں سب سے قابل ذکر یا قوت حموی کی ”معجم الادباء“، حافظ ذہبی کی ”تاریخ اسلام“ اور ”سیر اعلام النبلاء“، صفدی کی ”الوفاء بالوفیات“، اور عبدالحی الحسینی کی ”نزهة الخواطر“ ہے۔



ذیل میں متعدد کتابوں سے ان کی مختصر سوانح حیات پیش کی جا رہی ہے۔

### نام، نسب، نسبت، کنیت و لقب:

نام، نسب و نسبت: الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسماعیل العمری ثم الصغانی۔ علامہ موصوف نے اپنا یہ نسب نامہ خود اپنی کتاب ”العباب الزاخر واللباب الفاخر“ (۱/۱) کے مقدمے میں ذکر کیا ہے۔

کنیت: ابو الفضائل، لقب: رضی الدین، الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ۔ دیکھیں: (شذرات الذهب: ۴۳۱/۷، والبلغة للفیروز آبادی: ص: ۱۱۷، مجمع الآداب لابن الفوطی: ۴۸۹/۶، بلکہ یہ لقب خود علامہ موصوف نے اپنی کتاب العباب: ۳۳۶/۱ میں ذکر کیا ہے۔)

”عمری“ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اور ”صغانی“ یہ بلاد ماوراء النہر میں واقع مرو کے ایک گاؤں چاغان کی طرف منسوب ہے۔ اسے کوہ و چاغان بھی کہا جاتا ہے۔ اسی گاؤں کی طرف منسوب عربی زبان میں انہیں ”صغانی“ کہا جاتا ہے۔ دیکھیں: (الانساب للسمعانی: ۲۵۲/۸)، والقاموس المحيط للفیروز آبادی، مادہ ص غ ن، ص: ۱۲۱۰)

### ولادت:

خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی کے دور میں ۱۰ صفر سنہ ۵۷۵ ہجری کو لاہور میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دیکھیں: (تاریخ الاسلام للذہبی: ۶۳۶/۱۴، الجواهر المضية لعبد القادر القرشی: ۲۰۱/۱) اکثر مؤرخین نے ان کی یہی تاریخ پیدائش ذکر کی ہے۔ لیکن عبد الحی حسنی فرماتے ہیں کہ ان کی ولادت ۱۵ صفر ۵۷۵ ہجری کو ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر: ۹۱/۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### علمی اسفار:

اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آپ نے متعدد ملکوں کا سفر کیا۔ جن میں ہندوستان کے علاوہ بلاد ماوراء النہر، خراسان، عراق، حجاز اور یمن قابل ذکر ہیں۔

شروعات آپ نے اپنے والد ماجد محمد بن حسن بن حیدر کی آغوش میں کی، اور انہیں کے ہاتھوں آپ کی علمی نشو و نما ہوئی۔ اپنی مشہور کتاب العباب الزاخر میں متعدد جگہوں پر اپنے والد سے انہوں نے بہت سارے علمی فوائد کا ذکر کیا ہے۔ آپ کچھ بڑے ہوئے تو سندھ کے علاقے میں غزنہ کی طرف اپنی علمی پیاس

بجھانے کے لئے سب سے پہلا علمی سفر کیا۔ کچھ دنوں بعد قطب الدین ایبک نے آپ کو شہر لاہور کا جج بننے کا آفر پیش کیا، لیکن آپ نے علمی تشنگی کی خاطر یہ عظیم پیش کش ٹھکرا دی۔ اور بغداد کے لئے اپنا رخت سفر باندھا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے بغداد کے کبار علماء سے علم حاصل کیا، اور علماء بغداد کی ایک جماعت سے اجازہ حاصل کرنے کے بعد مکہ مکرمہ کے لئے نکل پڑے، فریضہ حج ادا کرنے کے بعد ایک مدت تک وہیں مقیم رہے اور وہاں کے علماء سے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ چنانچہ آپ اپنا لقب ہی اہل حرم اللہ لکھتے تھے۔ پھر یمن کے لئے نکل پڑے اور عدن پہنچ کر وہاں کے علماء کرام سے علم حاصل کرتے رہے۔ بالآخر عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ کے زمانہ میں سنہ ۶۱۵ھ ہجری میں بغداد واپس لوٹ آئے۔ خلیفہ وقت نے ان کی تکریم کی، اور انہیں اپنا قاصد بنا کر سنہ ۶۱۷ھ ہجری میں شاہ ہند شمس الدین التمش کی طرف اپنے مکتوب کے ساتھ روانہ کیا۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد آپ چھ سات سال تک وہیں مقیم رہے۔ پھر سنہ ۶۲۴ھ ہجری میں مکہ مکرمہ کے لئے نکل پڑے۔ حج کیا، اور حج کے بعد یمن تشریف لے گئے۔ اور پھر دوسری بار یمن سے بغداد واپس لوٹ آئے۔ اب عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کا دور تھا۔ انہوں نے بھی انہیں حسب سابق اپنا قاصد بنا کر ملکہ ہند رضیہ سلطانہ بنت التمش کے پاس بھیجا۔ آپ ان کا یہ پیغام لے کر ۲۲ ربیع الاول ۶۲۶ھ ہجری کو راجدھانی دہلی پہنچے، آپ کی وجہ سے شہر کو سجا یا گیا، اور آپ کا زبردست استقبال ہوا۔ بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ کل ملا کر آپ نے چالیس سال سے زیادہ ہندوستان میں گزر بسر کی۔ ۶۳ھ ہجری میں آپ پھر بغداد واپس آ گئے۔ اور آخری زندگی تک یہیں پر مقیم رہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: (معجم الادباء لیا قوت الحموی: ۱۰۱/۵، الوافی بالوفیات للصفدی: ۱۵۰/۱۲، العقد الثمین للفاسی: ۴۰۷/۳، الجواهر المصیئہ: ۲۰۲/۱، نزہۃ الخواطر: ۹۱/۱-۹۳) اور کتاب العباب کے محقق محمد حسن کا مقدمہ وغیرہ)۔

### اساتذہ کرام:

آپ نے ہندوستان، بغداد، مکہ اور یمن کے متعدد علماء کرام کے سامنے اپنا زانوئے تلمذتہ کیا اور ان کے علم سے خوشہ چینی کی۔ ذیل میں آپ کے بعض اساتذہ کرام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ آپ کے والد محمد بن حسن بن حیدر لاہوری۔ کتاب العباب میں اپنے والد سے استفادے کا انہوں نے بے شمار ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابو الفتوح نصر ابن الحصری (مکہ مکرمہ)

- ۳۔ قاضی ابراہیم بن احمد بن ابی سالم القرطبی (یمن)
  - ۴۔ قاضی سعد الدین خلف بن محمد الحسنا باذی (ہندوستان)
  - ۵۔ النظام محمد بن الحسن المرغینانی (ہندوستان)
  - ۶۔ ابو منصور سعید بن محمد ابن الرزاز (بغداد)۔
- (تفصیل کے لئے ”علمی اسفار“ میں ذکر کئے گئے مصادر کی طرف رجوع کریں۔)

### شاگردان رشید:

جن کا علمی مقام و مرتبہ اتنا اونچا ہو طلبہ علم کا ان کی طرف سفر کرنا اور ان کے علم سے مستفید ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ چنانچہ طلبہ علم کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے علم دین حاصل کیا۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

۱۔ شرف الدین الدمیاطی۔

یہ ان کے سب سے مشہور شاگرد تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مشیخہ میں ان کی تفصیلی سوانح حیات بھی لکھی ہے، لیکن ابھی تک میں اس سے مطلع نہیں ہو سکا۔

۲۔ عبد المؤمن بن خلف الحافظ

۳۔ عقیف الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن جعفر، معروف بابن البدیع

۴۔ نظام الدین محمود بن عمر اللہروی

۵۔ محی الدین ابو البقاء صالح بن عبد اللہ بن جعفر بن علی بن صالح الاسدی الکوفی المعروف بابن

الصباغ

۶۔ برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد البلیخی

(تفصیل کے لئے ”علمی اسفار“ میں ذکر کئے گئے مصادر کی طرف رجوع کریں۔)

### علمی مقام و مرتبہ:

علم حدیث، لغت اور فقہ پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ خصوصاً لغت اور نحو کے آپ امام تھے، علم لغت پر آپ نے کافی کتابیں بھی تصنیف کیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ معالم السنن للخطابی آپ کی پسندیدہ کتاب تھی، اور ابو عبید القاسم بن سلام کی غریب الحدیث جیسی ضخیم کتاب کے آپ حافظ تھے۔



بہت سارے علماء کرام نے آپ کا تزکیہ اور آپ کی تعریفیں کی ہیں۔

آپ کے لئے شرف کی بات ہے کہ آپ کے ہم عصر بلکہ آپ سے پہلے ہی فوت ہونے والے اس زمانے کے مشہور عالم دین علامہ یاقوت حموی نے ”معجم الادباء“ میں آپ کی مفصل سوانح حیات لکھی ہے۔

بہاء الدین جندی فرماتے ہیں: بہت بڑے امام تھے، بہت سارے علوم و فنون کے ماہر تھے جن میں سے بطور خاص نحو، لغت، حدیث اور فقہ حنفی ہے۔ (السلوک فی طبقات العلماء والملوک: ۲۲/۴۰)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ علم لغت میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ (تاریخ اسلام: ۱۴/۶۳۶)

دمیاٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لغت، فقہ اور حدیث کے آپ امام تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ۱/۹۲)

علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں: لغت، حدیث اور فقہ کے آپ امام تھے۔ (البلغة فی تراجم أئمة النحو واللغة: ص: ۱۱۷)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اپنے زمانے میں علم لغت کے آپ علمبردار تھے۔ (بغیۃ الوعاة للسیوطی: ۱/۵۱۹)

شمس الدین ابن الغزی نے آپ کو ”امام، عالم، علامہ، محدث اور لغوی“ جیسے علمی القاب سے ملقب کیا ہے۔ (دیوان الاسلام: ۳/۲۰۵)

عبدالحی حسنی فرماتے ہیں: آپ فضول کلامی سے دور رہنے والے ایک نیک عالم دین، فقیہ، محدث اور لغوی تھے۔ (نزہۃ الخواطر: ۱/۹۲)

اور زر کلی فرماتے ہیں: آپ علم لغت کے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے، اور فقیہ و محدث بھی تھے۔ (الاعلام: ۲/۲۱۴)

### عقیدہ اور فقہی مذہب:

آپ کے عقیدے کے متعلق کہیں پر کسی سوانح نگار سے صراحت کے ساتھ کچھ نہیں ملا۔ لیکن جس دور میں آپ نے زندگی گزاری ہے وہ ایسا دور تھا جب لوگوں پر عقیدہ تصوف کا تسلط تھا۔ آپ کی تصنیفات میں بعض کتابیں تصوف کے موضوع پر ہونے کی وجہ سے یہ شک ہوتا ہے کہ آپ بھی اس مہلک بیماری میں مبتلا تھے۔ مثلاً کتاب السالکین، کتاب الاصفاء، درجات العلم والعلماء۔ دیکھیں: (کتاب الشوارد للصفانی کے محقق کا

مقدمہ: ص: ۲۵)

سوانح نگاروں نے بالاتفاق آپ کا شمار علماء احناف میں کیا ہے، اور علماء احناف عموماً عقائد کے باب میں ماتریدی ہوتے ہیں، یا بعض ان میں سے اشعری عقیدے کے حامل ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: (الماتریدیہ و موقفہم من الاسماء والصفات لشمس الدین الافغانی: ۴۰۸/۱)

اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے۔

### تصنیفات:

آپ کی تصنیفات کی تعداد بے شمار ہے۔ علم لغت، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

- ۱۔ مجمع البحرین (علم لغت پر بارہ جلدوں میں)
- ۲۔ العباب الزاخر واللباب الفاخر
- ۳۔ الوبادر فی اللغات (بعض مصادر میں ”الشوارد“ اور بعض میں ”الشواذ“ آیا ہے)
- ۴۔ توشیح الدُریدیۃ
- ۵۔ التراکیب
- ۶۔ فعال
- ۷۔ فعلان
- ۸۔ الانفعال
- ۹۔ یفعل
- ۱۰۔ الاضداد
- ۱۱۔ العروض
- ۱۲۔ اُسماء العادة
- ۱۳۔ اُسماء الاسد
- ۱۴۔ اُسماء الذنب
- ۱۵۔ تعریز بیہی الحریری

۱۶۔ مشارق الأنوار فی الجمع بین الصحیحین

۱۷۔ مصباح الدجی

۱۸۔ الشمس المنيرة

۱۹۔ در السحابة فی وفیات الصحابة

۲۰۔ شرح البخاری

۲۱۔ الضعفاء

۲۲۔ الفرائض

۲۳۔ تزییل العزیز

۲۴۔ شرح آیات المفصل

۲۵۔ التکملة علی الصحاح

۲۶۔ مختصر الوفيات

۲۷۔ مناسک الحج

۲۸۔ نقعة الصديان، وغیره

(تفصیل کے لئے ”علمی اسفار“ میں ذکر کئے گئے مصادر کی طرف رجوع کریں۔)

### وفات:

۷۳ سال کی عمر میں ۱۹ شعبان سنہ ۶۵۰ ہجری میں بغداد میں آپ کی وفات ہوئی۔ وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ آپ کو مکہ مکرمہ لایا جائے اور وہیں دفن کیا جائے۔ بلکہ بغداد سے مکہ مکرمہ ڈھو کر لانے والوں کے لئے آپ نے پچاس دینار بھی چھوڑا ہوا تھا۔ دیکھیں: (الوافی بالوفیات: ۱۲/۱۵۱-۱۵۲، الجواہر المضية: ۲۰۱/۲۰۲ وغیرہ)۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس خادم دین و ملت کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے لغزشات کو معاف فرمائے، اور جنت الفردوس میں انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

\*\*\*



# فرض نمازوں کے بعد اذکار یا دعائیں؟

کفایت اللہ سنابلی

”ذکر“ اور ”دعاء“ میں فرق:

اردو میں عام طور سے ”ذکر“ اور ”دعاء“ میں فرق نہیں کیا جاتا اور ”ذکر“ کو بھی ”دعاء“ ہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔ ”ذکر“ سے مراد ایسے الفاظ جن میں اللہ کی حمد و ثناء بیان کی جائے اور ”دعاء“ سے مراد ایسے الفاظ جن میں بندہ اللہ سے کچھ طلب کرے۔

یہ فرق واضح ہو جانے کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ نماز کے بعد کوئی بھی خصوصی ”دعاء“ اللہ کے نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے بلکہ نماز کے بعد صرف اور صرف ”اذکار“ ہی آپ ﷺ سے ثابت ہیں۔ نیز اللہ کے نبی ﷺ نے نماز کے اندر تشہد کے اخیر میں زیادہ سے زیادہ دعائیں کرنے کی تعلیم دی ہے۔ (صحیح مسلم: رقم: ۹۶۸)

اس کے برخلاف کسی بھی حدیث میں نہیں ملتا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے نماز کے بعد کوئی دعا پڑھی ہو یا ایسی کوئی تعلیم دی ہو البتہ نماز کے بعد اذکار پڑھنا اللہ کے نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ زیادہ سے زیادہ استغفار کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دعا ہے اور اس کا محل نماز کے بعد ہے۔ لیکن یہ استغفار جن الفاظ کے ساتھ منقول ہے ان میں اکثر الفاظ ذکر ہی کے ہیں یعنی مجموعی لحاظ سے یہ بھی ذکر ہی ہے۔ نیز استغفار میں براہ راست خیر کا سوال نہیں ہوتا ہے بلکہ عذاب الہی سے بچنے کا سوال ہوتا ہے اس لئے اس میں ذکر کا پہلو غالب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی استغفار کو ذکر ہی کے قبیل سے مانا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”أما الأذکار الواردة في ذلك، فقد دلت الأحاديث الصحيحة على أن ذلك في دبر الصلاة بعد السلام. ومن ذلك أن يقول حين يسلم: أستغفر الله، أستغفر الله، أستغفر الله، اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام..“

”دبر الصلاة“ کے الفاظ میں جن اذکار کا ذکر ہے ان کے بارے میں احادیث سے ثابت ہے کہ انہیں نماز کے اخیر میں سلام پھیرنے کے بعد پڑھا جائے گا ان اذکار میں سے یہ ہے کہ نمازی سلام پھیرنے کے بعد کہے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَتْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.  
 “(مجموع فتاویٰ ابن باز: ۱۵۸/۲۵)

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ نماز کے بعد استغفار گرچہ دعا ہے لیکن یہ عام دعا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف نماز میں ہونے والی کوتاہیوں سے مغفرت طلب کرنا ہے۔ شیخ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فَإِنْ قَالَ: قَائِلٌ أَلَيْسَ قَدْ ثَبِتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ إِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ... وَهَذَا دَعَاءٌ؟ فَالْجَوَابُ: أَنَّ هَذَا دَعَاءَ خَاصٍّ مُتَعَلِّقٌ بِالصَّلَاةِ، لِأَنَّ اسْتَغْفَارَ الْإِنْسَانِ بَعْدَ سَلَامِهِ مِنَ الصَّلَاةِ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ قَدْ لَا يَكُونُ أَتَمَّ صَلَاتِهِ، بَلْ أَخْلَفَ فِيهَا إِمَامَ حُرُكَةٍ أَوْ انْصَرَفَ قَلْبُ أَوْ مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، فَكَانَ هَذَا الدَّعَاءُ بِالْمَغْفِرَةِ لَا صِقًّا بِالصَّلَاةِ مُتَمَمًّا، وَلَيْسَ دَعَاءً مُطْلَقًا مُجَرَّدًا“

”اگر کوئی کہے کہ: کیا اللہ کے نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تھے تو تین بار استغفار اللہ پڑھتے تھے پھر کہتے تھے اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ... اور یہ دعا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ (استغفار والی دعا) نماز ہی سے متعلق خاص ہے، کیونکہ نماز کے بعد نمازی استغفار اس لئے کرتا ہے کیونکہ دوران نماز اس سے کچھ نہ کچھ کوتاہی ہو سکتی ہے، مثلاً نماز میں اس نے بلا وجہ حرکت کی ہو یا دوران نماز اس کا دل کہیں اور لگا ہو وغیرہ وغیرہ تو یہ استغفار کی دعا نماز کے فوراً بعد اسی لئے ہے تاکہ دوران نماز ہونے والی کوتاہیوں کا ازالہ ہو سکے، لہذا یہ عام اور مطلق دعا نہیں ہے“ (فتاویٰ نور علی الدرب للعثیمین: ۴/۲، ترقیم الشاملة)

الغرض نماز کے بعد استغفار جن کلمات کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ان میں ذکر ہی غالب ہے، لہذا یہ ذکر کے قبیل سے ہے۔ جیسا کہ شیخ بن باز رحمہ اللہ نے کہا ہے اور اس کے اندر معنوی طور پر جو دعا کا مفہوم ہے اس کا تعلق بھی خاص نماز ہی سے ہے جیسا کہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔ تاہم اگر اسے مکمل طور سے دعا ہی مان لیں تو صرف اسی کا استثناء کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی روایت میں کسی خاص دعا کے بارے میں صراحت مل جائے کہ اسے نماز کے بعد پڑھنا ہے تو اسے بھی اس اصول سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔ باقی اصولی طور پر یہی بات کہی جائے گی کہ نماز کے اخیر میں دعاؤں کا محل سلام پھیرنے سے پہلے کا وقت ہے اور اذکار کا محل سلام پھیرنے کے بعد کا وقت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸) فرماتے ہیں:



”الأحاديث المعروفة في الصحاح والسنن والمسند تدل على أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يدعو في دبر صلاته قبل الخروج منها وكان يأمر أصحابه بذلك ويعلمهم ذلك ولم ينقل أحد أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صلى بالناس يدعو بعد الخروج من الصلاة هو والمؤمنون جميعاً لا في الفجر ولا في العصر ولا في غيرهما من الصلوات بل قد ثبت عنه أنه كان يستقبل أصحابه ويذكر الله ويعلمهم ذكر الله عقب الخروج من الصلاة“

”صحاح، سنن اور مسانید میں جو مشہور احادیث ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی نماز کے اخیر میں نماز ختم کرنے سے قبل دعائیں کرتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی اسی بات کا حکم دیتے اور یہی تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ کسی نے نقل نہیں کیا کہ نبی ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو نماز ختم کرنے کے بعد آپ اور آپ کے سارے صحابہ دعائیں کرتے تھے، نہ فجر میں نہ عصر میں نہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور نماز میں۔ بلکہ آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کی طرف رخ کر کے اللہ کا ذکر کرتے تھے اور صحابہ کو بھی اسی بات کی تعلیم دیتے تھے“ (مجموع الفتاویٰ: ۲۲/۴۹۲)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأما الدعاء بعد الصلاة النافلة والفريضة فليس له أصل عن النبي عليه الصلاة والسلام فإن الله تعالى قال (فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ) ولم يقل فادعوا الله والدعاء إنما يكون قبل السلام هكذا أرشد النبي صلى الله عليه وسلم إليه فقال حين ذكر التشهد ثم ليتخير من الدعاء ما شاء“

”رہی بات نفل یا فرض نماز کے بعد دعاؤں کی تو نبی ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (جب تم نماز سے فارغ ہو تو اللہ کا ذکر کرو) یہاں اللہ نے یہ نہیں کہا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرو۔ اور دعا سلام پھیرنے سے پہلے نماز کے اندر کرنی ہے جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جب تشہد کا ذکر کیا تو اس کی تعلیم دیتے ہوئے کہا: پھر اس کے بعد نمازی جن دعاؤں کو چاہے اختیار کرے“ (فتاویٰ نور علی الدرب: ج: ۸، ص: ۲، ترقیم الشاملة، نیز دیکھیں: مجموع فتاویٰ و رسائل العثیمین: ج: ۱۳، ص: ۲۶۸)

”دبر الصلاة“ کا مفہوم: واضح رہے کہ بعض اذکار و دعاؤں کے ساتھ ”دبر الصلاة“ کا لفظ وارد ہے اور اس لفظ سے سلام پھیرنے سے قبل نماز کا آخری حصہ اور سلام پھیرنے کے بعد کا وقت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس لفظ کے سلسلے میں ضابطہ یہی ہوگا کہ اگر یہ لفظ دعاؤں کے ساتھ آئے تو اس



سے مراد سلام پھیرنے سے قبل نماز کا آخری حصہ ہوگا اور اگر یہ لفظ اذکار کے ساتھ آئے تو اس سے مراد سلام پھیرنے کے بعد کا وقت ہوگا۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ما قید بدبر الصلاة إن كان ذكر أفهو بعدها، وإن كان دعاء فهو في آخرها“

”جن الفاظ کے ساتھ دبر الصلاة کے الفاظ وارد ہیں وہ اگر اذکار ہیں تو ان کا محل نماز کے بعد کا وقت ہے اور اگر دعائیں ہیں تو ان کا محل (سلام پھیرنے سے قبل) نماز کا آخری حصہ ہے“ (مجموع فتاویٰ و رسائل العثیمین: ج: ۱۳، ص: ۲۶۸)

معنوی طور پر یہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔ دیکھئے: (مجموع الفتاویٰ: ج: ۲۲، ص: ۴۹۲)

نیز دبر الصلاة کے ساتھ دعاؤں والی بیشتر روایات کے بعض طرق میں یہ صراحت بھی مل جاتی ہے کہ انہیں سلام سے پہلے پڑھنا ہے۔

عمومی دعا: واضح رہے کہ عمومی طور پر کسی وقت بھی دعا کرنا جائز ہے اور اس عموم میں نماز کے بعد کا وقت بھی ہے۔ اس اعتبار سے بغیر معمول کے اگر کبھی کبھار نماز کے بعد بھی دعا کر لی جائے تو عمومی طور پر اس کا جواز ہے۔ لیکن اسے معمول بنالینا اور خاص کر عین نماز کے بعد اسے سنت قرار دینا محل نظر ہے۔ لہذا یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہاں عام دعاؤں کی نہیں بلکہ خاص ان دعاؤں کی بات ہے جن کا خصوصی طور پر نماز کے اخیر میں پڑھنا اللہ کے نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ اور مسئلہ ان دعاؤں کے پڑھنے سے انکار کا نہیں بلکہ ان کے محل کا ہے۔ یعنی انہیں نماز کے اخیر میں کب پڑھا جائے گا نماز کے اندر؟ یا نماز کے باہر؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ ابن عثیمین رحمہما اللہ نے قرآن یا حدیث کی روشنی میں جو اصول پیش کیا ہے اس کی رو سے ان دعاؤں کو نماز کے اخیر میں سلام پھیرنے سے قبل ہی پڑھیں گے نیز اس طرح کی کئی روایات کے بعض طرق میں یہ صراحت بھی آ جاتی ہے کہ انہیں نماز کے اندر پڑھنا ہے۔

تنبیہ: امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

حدثنا محمد بن يحيى الثقفى المروزي قال: حدثنا حفص بن غياث، عن ابن جريج، عن عبد الرحمن بن

سابط، عن أبي أمامة، قال: قيل يا رسول الله: أي الدعاء أسمع؟ قال: ”جوف الليل الآخر، ودبر الصلوات“

”ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”آدھی رات کے آخر کی دعا (یعنی تہائی رات میں مانگی ہوئی دعا) اور فرض نمازوں کے اخیر میں“ (سنن الترمذی شاکر: ۵۲۶/۵، رقم: ۳۴۹۹)

یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند منقطع ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا ہے کہ عبد الرحمن بن سابط کا سماع ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۸۷/۳) اس علت کے سبب امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۸) نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیں: (بیان الوہم والإیہام فی کتاب الأحکام: ۳۸۵/۲)

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس سند کو منقطع قرار دیا ہے دیکھیں: (تخریج الکلم الطیب: ص: ۱۱۲، طبع المعارف) لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ (حوالہ سابق) عرض ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے دو شواہد تو وہی ذکر کئے ہیں جن کا حوالہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بعد دیا ہے مگر اس کی سند نہ تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے پیش کی ہے اور نہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے، تیسرے شاہد کے لئے علامہ البانی رحمہ اللہ نے مجمع الصحابہ لابن قانع کا ذکر کیا ہے۔ عرض ہے کہ یہ تینوں شواہد میں سے دو تو بے سند ہیں اور ایک ضعیف ہے، مزید مصیبت یہ کہ ان تینوں میں سے کسی میں بھی نماز کے اخیر میں دعا کرنے والی بات سرے سے ہے ہی نہیں، پھر اس حصہ کے لئے دیگر غیر متعلق روایات شاہد کیونکر بن سکتی ہیں؟ خلاصہ یہ کہ یہ روایت منقطع ہے لہذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی علامہ البانی رحمہ اللہ کی تقلید میں اسے حسن لغیرہ ہی تسلیم کرے تو عرض ہے کہ اس میں بھی نماز کے بعد دعا کرنے کی صراحت نہیں ہے بلکہ (دبر الصلوات) کے الفاظ ہیں اور ماقبل میں وضاحت ہو چکی ہے کہ جب دعا کے لئے دبر الصلوات کا ذکر ہو تو اس سے مراد نماز کے اندر سلام پھیرنے سے قبل کا محل ہے۔

اس وضاحت کے بعد وہ اذکار پیش خدمت ہیں جنہیں فرض نمازوں کے بعد پڑھنا صحیح سندوں سے ثابت ہے:

\* ۱۔ ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ ”اللہ سب سے بڑا ہے“ (صحیح البخاری:۔ کتاب الاذان: باب الذکر بعد الصلوة، رقم:

۸۴۲، مسلم: رقم: ۵۸۳) (۱)

(۱) عصر حاضر کے بعض اہل علم کا بخاری و مسلم کی اس متفق علیہ روایت کے متن پر جرح کرنا غیر مسموع ہے، نیز متقدمین میں سے کسی نے بھی اس روایت پر کوئی تنقید نہیں کی ہے۔

\* ۲۔ ”اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ (يا) ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ“

”میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں (تین مرتبہ) اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری طرف ہی سلامتی ہے، تو بابرکت ہے اے بزرگی اور عزت والے“ (مسلم:- کتاب المساجد ومواضع الصلوة: استحباب الذکر بعد الصلوة و بیان صفتہ، حدیث نمبر: ۵۹۱)

\* ۳۔ ”سُبْحَانَ اللهِ“۔ (۳۳ دفعہ)۔ ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ“۔ (۳۳ دفعہ)۔ ”اللّٰهُ اَكْبَرُ“۔ (۳۴ دفعہ)

”اللہ پاک ہے، تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں، اللہ سب سے بڑا ہے“ (مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوة: استحباب الذکر بعد الصلوة و بیان صفتہ، حدیث نمبر: ۵۹۲) ی

”اللّٰهُ اَكْبَرُ“۔ صرف ۳۳ دفعہ ہی پڑھے اور ۱۰۰ کی عدد اس دعا سے پوری کرے: ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ ”اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اس کے لیے تمام تعریفات اور وہ ہر چیز پر قادر ہے“ (مسلم: کتاب المساجد...: استحباب الذکر بعد الصلوة و بیان صفتہ، حدیث نمبر: ۵۹۷)

\* ۴۔ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“

”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تو جو چیز دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے مقابلے میں سود مند نہیں“ (بخاری: کتاب الاذان: باب الذکر بعد الصلوة، حدیث نمبر: ۸۴۴)۔

\* ۵۔ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ، لَهُ التَّعَمُّدُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الشَّاءُ الْحَسَنُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ“

”اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اور اس کے لیے تمام تعریفات اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کی توفیق و مدد کے بغیر، گناہ سے بچنے کی طاقت اور



نیکی کرنے کی قوت نہیں، اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں، ہم اس کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لئے فضل ہے اور بہترین ثناء (تعریف) اسی کے لیے ہے، اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں، ہم اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہیں اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو‘ (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ: استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ، حدیث نمبر: ۵۹۴)

✽ ۶۔ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۲) وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ (۳) وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ (۴) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (۵)﴾

”اے (نبی ﷺ) کہہ دیجئے میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی، اور اندھیری رات کی تاریکی سے جب وہ چھا جائے، اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے، اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے“

✽ ۷۔ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱) مَلِكِ النَّاسِ (۲) إِلَهِ النَّاسِ (۳) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۴) الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۶)﴾

”اے (نبی ﷺ) کہہ دیجئے میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، لوگوں کے مالک کی، لوگوں کے معبود کی، وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے“ (ترمذی: کتاب فضائل القرآن: باب ماجاء فی المعوذتین، حدیث نمبر: ۲۹۰۳، صحیح بالشواہد)

مذکورہ اذکار کے علاوہ ہمارے علم کی حد تک کسی اور ذکر کا صراحتاً نماز کے بعد پڑھنا ثابت نہیں ہے واللہ اعلم۔ بعض دعاؤں سے متعلق بعض طرق میں یہ صراحت ملتی ہے کہ انہیں سلام پھیرنے کے بعد پڑھا جائے گا لیکن یہ صراحت شاذ ہے اور ان روایات میں محفوظ بات یہی ہے ان دعاؤں کو سلام پھیرنے سے قبل ہی پڑھا جائے گا۔ البتہ اگر کسی خاص دعا کے بارے میں کوئی صحیح روایت مل جائے کہ اسے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہی پڑھنا ہے تو اسے مذکورہ اصول سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا اور خاص دلیل کی بنا پر اسے نماز کے بعد ہی پڑھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

\*\*\*

# نومولود کے لئے تحنیک (گھٹی دینے) کا مسئلہ

(کفایت اللہ سنابلی)

بچہ کی پیدائش کے وقت ہمارے یہاں ایک چیز یہ بھی رائج ہے کہ کسی بزرگ شخصیت کو بلا کر تحنیک کروائی جاتی ہے، تحنیک کا مطلب ہے کہ کھجور یا میٹھی چیز کوئی بزرگ صاحب اپنے منہ میں چبا کر نرم کرتے ہیں پھر اسے نومولود بچے کے تالو سے لگا دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے اس بابت کئی صحیح احادیث مروی ہیں۔ ایک ملاحظہ ہو: امام مسلم رحمہ اللہ (التوفی: ۲۶۱) نے کہا:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَأَبُو كُرَيْبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالصَّبِيَّانِ فَيَبْرَكُ عَلَيْهِمْ وَيَحْنِكُهُمْ، فَأَتَيْتُ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَيْهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَاتَّبَعَهُ بَوْلُهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ"

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ”کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا تو آپ ﷺ ان کے لئے برکت کی دعا کرتے اور انہیں گھٹی دیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک بچے کو لایا گیا تو اس نے آپ ﷺ کے اوپر ہی پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے پانی منگایا اور پیشاب کی جگہ پر چھینٹا مار دیا اور اسے دھلا نہیں“ (صحیح مسلم: ۲۳۷۱، رقم: ۲۸۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے نبی ﷺ کے پاس اپنے نومولود بچوں کو لاتے تھے اور آپ ﷺ انہیں گھٹی دیتے تھے۔ لیکن یہ عمل آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

خصوصیت کی پہلی دلیل: یہ عمل آپ ﷺ سے جسمانی تبرک حاصل کرنے کے قبیل سے ہے لہذا یہ چیز آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی سے بھی جسمانی تبرک حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

خصوصیت کی دوسری دلیل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہد رسالت میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی اور سے تحنیک نہیں کروائی ہے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل اللہ کے نبی ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اگر خصوصیت کی بات نہ ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کی عدم موجودگی یا آپ تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں دوسروں سے تحنیک کرواتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کے دور میں یا تابعین کے دور میں یہ عمل باقی رہتا ہے۔ لیکن کسی بھی صحیح روایت میں یہ نہیں ملتا کہ آپ ﷺ کے علاوہ آپ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی صحابی یا تابعی نے یہ عمل کیا ہو۔ لہذا خیر القرون میں اس عمل کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صرف آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کا تعلق جسمانی تبرک سے ہے۔

شیخ ابو عبد المعز محمد علی فرکوس حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

ہذہ الأحادیث - علی الصحيح - إنما تدلّ علی مشروعية التبرک بذات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وریقہ ولعابہ... وهو أمر مجمع علیہ، غیر آنہ لیس فیہا دلالة علی جواز التبرک بذوات الصالحین و آثارہم، إذ لم ینقل حصول هذا النوع من التبرک من الصحابة رضي الله عنهم بغيره صلی اللہ علیہ وسلم لا فی حیاتہ ولا فی مماتہ، وقد کان فیہم الخلفاء الراشدون وبقیة العشرة المبشرين بالجنة وغيرہم، وہم أفضل القرون لا اعتقادہم اختصاص الرسول اللہ علیہ وآلہ وسلم بمثل هذا التبرک دون سواہ، وقد أثبت الشاطبي إجماع الصحابة رضي الله عنهم علی ترك ذلك التبرک فیما بینہم حیث یقول: ”وہو إطباقہم - أي الصحابة - علی التبرک، إذ لو کان اعتقادہم التشريع لعمل بہ بعضہم بعدہ، أو عملوا بہ ولو فی بعض الأحوال، إما وقوفا مع أصل المشروعية وإما بناء علی اعتقاد انتفاء العلة الموجبة للامتناع“۔ (الاعتصام للشاطبي: ج: ۲، ص: ۱۰) وقال - رحمہ اللہ - فی موضع آخر: ”فعلی هذا المأخذ: لا یصح لمن بعدہ الاقتداء بہ فی التبرک علی أحد تلك الوجوه ونحوها، ومن اقتدی بہ کان اقتداؤه بدعة، كما کان الاقتداء بہ فی الزیادة علی أربع نسوة بدعة“۔ (الاعتصام: ج: ۲، ص: ۹) وعلیہ فإن القول بجواز التبرک بریق الصالحین ولعابہم من جهة التحنیک هو القول بجواز التبرک بذوات و آثار الصالحین قیاساً علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا یخفی أنّ مثل هذا القیاس فاسد الاعتبار لمقابلتہ للإجماع المنقول عن الصحابة رضي الله عنهم فی تركہم لهذا الفعل مع غیر النبی



صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولو کان خیر السبقوننا إلیہ۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کی ذات، آپ کے تھوک اور آپ کے لعاب سے تبرک حاصل کرنا مشروع ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ لیکن ان میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ بزرگوں کی ذات اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام سے اس طرح کا تبرک اللہ کے نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور سے منقول نہیں ہے نہ آپ ﷺ کی زندگی میں نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ جبکہ صحابہ میں خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ وغیرہم موجود تھے اور یہ سب سے بہتر دور والے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کا عقیدہ یہی تھا کہ اس طرح کا تبرک صرف اللہ کے نبی ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور امام شاطبی رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپس میں اس طرح کے تبرک نہ لینے پر اجماع نقل کیا ہے۔ چنانچہ آں رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام صحابہ کرام نے آپس میں اس طرح کے تبرک کو ترک کر دیا ہے، اگر اس کی مشروعیت پر ان کا اعتقاد ہوتا تو آپ ﷺ کے بعد بعض صحابہ اس پر عمل کرتے یا تمام صحابہ بعض اوقات اس پر عمل کرتے یا تو مشروعیت سمجھ کر یا منع کی علت نہ ہونے کی بنا پر۔ آں رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: اس بنا پر آپ ﷺ کے بعد والوں کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ تبرک کے سلسلے میں ان معاملات میں یا ان جیسے معاملات میں آپ ﷺ کی اقتداء کریں۔ اور جس نے اقتداء کی اس کی اقتداء بدعت ہوگی جس طرح چار سے زائد شادی میں آپ ﷺ کی اقتداء بدعت ہے۔ لہذا تحنیک کے قبیل سے بزرگوں کے تھوک اور ان کے لعاب سے تبرک حاصل کرنے کے جواز کی بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے بزرگوں کے جسموں اور ان کے آثار سے تبرک کے جواز کی بات کہی جائے آپ ﷺ پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ قیاس فاسد اور ناقابل اعتبار ہے کیونکہ یہ صحابہ کرام سے منقول اس اجماع کے خلاف ہے کہ صحابہ کرام نے غیر نبی کے ساتھ اس کام کو ترک کیا ہے۔ اگر یہ اچھا کام ہوتا تو ہم سے پہلے صحابہ کرام اس پر عمل کرتے۔ (۴۰۔ سوال فی احکام المولود: ۵۸ تا ۶۱)

### بعض شبہات کا ازالہ:

پہلا شبہ: بعض حضرات کہتے ہیں کہ تحنیک کا عمل آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور آپ ﷺ کی زندگی کو ہمارے لئے اسوہ قرار دیا گیا ہے اس لئے آپ ﷺ کے اس اسوہ کو اپنایا جائے گا۔ جواباً عرض ہے کہ اس اصول سے آپ ﷺ کی خصوصیات مستثنیٰ ہے۔ بہت سے ایسے اعمال ہیں جو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں لیکن ہم انہیں نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ مثلاً چار سے زائد شادی کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے لیکن ہم یہ عمل نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ ٹھیک اسی طرح جسمانی تبرک یہ بھی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا کسی اور شخصیت سے جسمانی تبرک حاصل کرنا درست نہیں۔ بالخصوص جبکہ صحابہ و تابعین کا ایسا کوئی عمل بھی نہیں ملتا۔

دوسرا شبہ: بعض حضرات مسند احمد کی اس حدیث سے عموم کا استدلال کرتے ہیں: امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (الموتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: اشْتَكَى ابْنُ لَأْبِي طَلْحَةَ، فَخَرَجَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَتَوَقَّى الْغُلَامَ، فَهَيَّأَتْ أُمُّ سَلِيمٍ الْمَيْتَ. وَقَالَتْ لِأَهْلِهَا: لَا يَخْبِرَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ أَبَا طَلْحَةَ بِوَفَاةِ ابْنِهِ، فَزَجَّعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَمَعَهُ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْمَسْجِدِ مِنْ أَصْحَابِهِ. قَالَ: مَا فَعَلَ الْغُلَامُ؟ قَالَتْ: خَيْرٌ مَا كَانَ، فَقَرَّبَتْ إِلَيْهِمْ عَشَاءَهُمْ، فَتَعَشَّوْا وَخَرَجَ الْقَوْمُ، وَقَامَتِ الْمَرْأَةُ إِلَى مَا تَقُومُ إِلَيْهِ الْمَرْأَةُ، فَلَمَّا كَانَ آخِرُ اللَّيْلِ، قَالَتْ: يَا أَبَا طَلْحَةَ، أَلَمْ تَرِ إِلَى آلِ فُلَانٍ اسْتَعَاذُوا عَارِيَةً فَتَمَتَّعُوا بِهَا، فَلَمَّا طَلَبْتُ كَأَنَّهُمْ كَرِهُوا ذَاكَ. قَالَ: مَا أَنْصَفُوا، قَالَتْ: فَإِنَّ ابْنَكَ كَانَ عَارِيَةً مِنَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، وَإِنَّ اللَّهَ قَبِضَهُ فَاسْتَرْجَعَ وَحَمَدَ اللَّهُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَأَاهُ قَالَ: "بَارَكَ اللَّهُ لَكُمْ فِي لَيْلَتِكُمْ"، فَحَمَلَتْ بِعَبْدِ اللَّهِ فَوَلَدَتْهُ لَيْلًا، وَكَرِهَتْ أَنْ تُحَنِّكَهُ حَتَّى يُحَنِّكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَحَمَلَتْهُ غَدَوَةً، وَمَعِيَ تَمَرَاتٌ عَجْوَةٌ، فَوَجَدْتُهُ يَهْنَأُ أَبَاعِرَ لَهُ، أَوْ يَسْمُهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُمَّ سَلِيمٍ وَلَدَتْ لَيْلَةَ، فَكَرِهْتُ أَنْ تُحَنِّكَهُ حَتَّى يُحَنِّكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَمَعَكَ شَيْءٌ؟" قُلْتُ: تَمَرَاتٌ عَجْوَةٌ، فَأَخَذَ بَعْضَهُنَّ فَمَضَغَهُنَّ، ثُمَّ جَمَعَ بَزَاقَهُ فَأَوْجَرَهُ إِيَّاهُ، فَجَعَلَ يَتَلَمَّظُ، فَقَالَ: "حُبُّ الْأَنْصَارِ التَّمَرُ". قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ سَمِّهِ، قَالَ: "هُوَ عَبْدُ اللَّهِ" (مسند أحمد ط الرسالة: ۸۶/۱۹)

اس روایت میں محل شاہد یہ جملہ ہے: وَكَرِهَتْ أَنْ تُحَنِّكَهُ حَتَّى يُحَنِّكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ام سلیم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ بچے کی تحنیک کریں اس سے قبل کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحنیک کر دیں۔ تقریر استدلال یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ تحنیک نبوی سے قبل ام سلیم نے اپنی تحنیک کو ناپسند کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ میں اوروں کی تحنیک بھی عام تھی۔

عرض ہے کہ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس روایت میں خود بچے کی ماں کی تحنیک کا ذکر ہے، سوال



یہ ہے کہ کیا عہد صحابہ میں بچوں کی مائیں بھی اپنے بچوں کی تحنیک کرتی تھیں؟ اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے جب ہم اس روایت کو تمام طرق اور تمام سندوں کے ساتھ دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ مسند احمد کے طریق میں راوی سے روایت بالمعنی کرنے میں چوک ہوئی ہے۔ اور یہ الفاظ سرے سے اس حدیث میں ثابت ہی نہیں ہیں جن پر استدلال کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ دراصل ام سلیم کی خواہش یہ تھی کہ اللہ کے نبی ﷺ کی تحنیک سے قبل بچے کے منہ میں کوئی اور چیز نہ جانے پائے چنانچہ یہ حدیث بخاری میں ہے اور وہاں پر متعلقہ الفاظ یہ ہیں: ”فَلَا يَصْبِيَنَ شَيْئًا حَتَّى تَغْدُو بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْنِكُهُ“۔ ”یعنی بچے کچھ نہ لینے پائے یہاں تک اسے اللہ کے نبی ﷺ کے پاس لایا جائے اور اللہ کے نبی ﷺ اس کی تحنیک کر دیں“۔ (صحیح البخاری: ۱۲۸۷) اور یہاں ام سلیم کی مراد بچے کو دودھ پلانا تھا، یعنی ان کی خواہش یہ تھی کہ بچے کو اس وقت تک دودھ نہ پلایا جائے جب تک کہ اللہ کے نبی ﷺ اس کی تحنیک نہ کر دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ بات پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ چنانچہ مسلم میں منقول اسی حدیث کے متعلقہ الفاظ ہیں: ”يَأْتِي أَنَسُ لَا يُزْضِعُهُ أَحَدٌ حَتَّى تَغْدُو بِهِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“۔ ”ام سلیم نے کہا: اے انس! اس بچے کو کوئی بھی دودھ نہ پلانے پائے یہاں تک کہ اسے (تحنیک کے لئے) اللہ کے نبی ﷺ کے پاس لاؤ۔۔۔ (اور پھر روایت میں آگے ذکر ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے تحنیک کی)“ (صحیح مسلم: ۱۹۰۹/۳)

صحیح مسلم کی اس روایت سے حدیث کے مذکورہ حصہ کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا کہ یہاں ام سلیم کی اس خواہش کا ذکر ہے کہ بچے کو دودھ پلانا شروع نہ کیا جائے یہاں تک کہ اللہ کے نبی ﷺ اس کی تحنیک کر دیں۔ بخاری و مسلم کی صحیح ترین روایت میں اسی مفہوم کا بیان ہے لیکن مسند احمد کی طریق میں کسی راوی سے روایت بالمعنی میں چوک ہوئی۔ اور بعض اہل علم نے سند و متن کی تحقیق سے قبل ہی اس پر استدلال کی عمارت کھڑی کر دی۔ یاد رہے کہ جس طرح صحیح روایت کے بعض الفاظ کی روایت میں بعض ثقہ رواۃ سے غلطی ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طرح صحیح روایت کے بعض الفاظ کو روایت بالمعنی کرنے میں بھی بعض ثقہ رواۃ غلطی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی صفۃ الصلاة میں ”انا من المسلمین“ اور ”انا اول المسلمین“ پر بحث کرتے ہوئے اسی بات کی وضاحت کی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس طرح کے معاملات میں راوی کی تغلیط کے لئے دلیل درکار ہے بغیر دلیل کے ہم کسی بھی ثقہ راوی کی طرف لفظی یا معنوی غلطی منسوب نہیں کر سکتے۔



تیسرا شبہ: بعض حضرات کہتے ہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کی پیدائش پر ان کی تحنیک کی۔ جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

عرض ہے کہ یہ اثر ثابت ہی نہیں ہے۔ چنانچہ: امام ابن اثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

”وُلِدَ الْحَسَنُ فِي خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاتَى بِهِ إِلَيْهِ فِدَعَالُهُ وَحَنَكُهُ“

حسن بصری کی پیدائش عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ان کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے دعا کی اور انہیں گھٹی دی۔ (البداية والنهاية، مكتبة المعارف: ۲۷۴/۹)

عرض ہے کہ یہ اثر ثابت ہی نہیں ہے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نہ تو اس اثر کے مصدر کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی اس کی سند ذکر کی ہے لہذا یہ غیر ثابت ہے اور اس سے استدلال درست نہیں۔

\*\*\*

علم، دولت اور منصب ایسی چیزیں ہیں جو آدمی کی آواز کو وزن دار اور مؤثر بناتی ہیں، خوب علم حاصل کیجیے، خوب دولت کمائیے اور اگر قوم کسی منصب کا ذمہ دار بنادے تو امانت و دیانت سے ذمہ داریوں کو ادا کر دیجیے، منصب اور دولت تو آنے جانے والی چیزیں ہیں، علم ہی فقط باقی رہنے والی چیز ہے، اس لیے اگر آدمی صاحب علم ہو اور پاس میں خود داری اور شعور و سلیقہ ہو تو وہ امراء اور منصب داروں کے ہاتھ کار و مال نہیں بن پائے گا، افسوس ہوتا ہے کہ جن کے ہاتھ میں قلم اور کتاب ہونا چاہیے وہ منصب داروں کی کرسیاں اور جوتیاں سیدھی کرنے میں لگے رہتے ہیں، صاحب علم اپنے علم سے منصب داروں اور امراء کو جھکاتا ہے جب کہ کم علم اور موقع پرست لوگ تملق و چا پلوسی سے اپنے مقاصد و مطالب پورا کرتے ہیں۔

ابو اشعر فہیم

آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کا صحیح معنی و مفہوم اور اعرابی والی روایت کا علمی جائزہ

فاروق عبداللہ نراین پوری (پہلی قسط)

کتاب و سنت کے بے شمار دلائل کی بنا پر اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور آپ ﷺ آدم کی اولاد میں سے ہیں، بلکہ آپ سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی بنا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا، اور ۶۳ سالہ زندگی گزارنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کو آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی دنیاوی زندگی ختم ہو چکی ہے، اور آپ ابھی عالم برزخ میں ہیں۔ آپ کے لئے موت کا لفظ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں استعمال کیا ہے۔ اور صحابہ کرام، تابعین عظام، و سلف صالحین نے بھی اس لفظ کا بہ کثرت استعمال کیا ہے۔ درحقیقت اس لفظ میں آپ کے لئے کوئی توہین ہے ہی نہیں جیسے کہ بعض حضرات کو شبہ ہوتا ہے۔

نیز اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی بھی ایسے شخص سے کچھ طلب کرنا جائز نہیں جس کی وفات ہو چکی ہے، چاہے وہ انبیاء کرام بلکہ سید ولد آدم نبی کریم ﷺ ہی کیوں نہ ہوں!

لیکن افسوس کہ بعض حضرات سلف صالحین کے اس متفقہ عقیدے کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس جا کر آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنا جائز ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے بخشش تو طلب نہیں کی جائے گی لیکن یہ درخواست کرنا جائز ہے کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ یہ حضرات قرآن کریم کی اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (سورۃ النساء: ۶۴)

”جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اگر یہ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے“

نیز اس آیت کے خود ساختہ مفہوم کو تقویت دینے کے لئے عتبی نامی شخص کا ایک (من گھڑت) قصہ بیان کرتے ہیں، جس کا کہنا ہے: میں قبر رسول کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران ایک اعرابی آیا، اور فرمایا:

السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ اور میں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی شفاعت طلب کرنے کے لئے آیا ہوں۔ پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے: یا خیر من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طيبهن القاع والأکم نفسي الفداء لقبر أنت ساکنه فيه العفاف وفيه الجود والکرم اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی، خواب میں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ فرما رہے تھے: اے عتی اس اعرابی سے ملو اور اسے یہ خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔

مذکورہ آیت اور اعرابی کے قصہ سے استدلال کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ ہم سے ظلم و زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں، گناہ ہوتے رہتے ہیں اس لئے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں آپ ﷺ کی قبر پر آکر استغفار کرنا چاہئے، نیز آپ سے یہ درخواست کرنا چاہئے کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں جیسے کہ اس اعرابی نے کیا تھا۔

لیکن ان کا یہ استدلال درج ذیل اسباب کی بنا پر باطل ہے۔

آیت کا یہ مفہوم سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف ہے۔

ہمارے برادران اس آیت سے جو مفہوم اخذ کرتے ہیں یہ فہم سلف صالحین کی متفقہ فہم کے خلاف ہے۔ اور کتاب و سنت کی نصوص کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھا جائے۔ اگر اس آیت کا یہی مفہوم ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اپنی زندگیاں آپ ﷺ کی محبت و اطاعت میں قربان کر دیں وہ سب سے پہلے اسے عمل کرتے۔ لیکن کسی بھی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر آکر اس طرح کی کوئی درخواست کی ہو، یا گناہ کرنے کے بعد آپ کی قبر پر آکر استغفار کیا ہو، یا آپ کے وسیلہ سے کچھ طلب کیا ہو۔

اسی طرح تابعین، تبع تابعین ومن تبعهم باحسان کسی سے اس طرح کا کوئی عمل ثابت نہیں ہے۔

حالانکہ آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو وہ پریشان ہو جاتے، فوراً انہیں اس غلطی کا احساس ہوتا اور اس کی مغفرت کی کوشش میں لگ جاتے، آپ ﷺ کے پاس آتے اور آپ سے استغفار طلب کرتے، پھر آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے۔



علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وہذہ كانت عادة الصحابة معه صلى الله عليه وسلم أن أحدهم متى صدر منه ما يقتضي التوبة جاء إليه فقال: يا رسول الله فعلت كذا وكذا فاستغفر لي“ (الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: ۳۱۷)

”یہ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ جب ان سے کوئی ایسی چیز صادر ہو جاتی جس سے توبہ کی ضرورت ہو تو آپ کے پاس آتے اور کہتے: اے اللہ کے رسول میں نے ایسا کر لیا ہے، اس لئے آپ میرے لئے - اللہ تعالیٰ سے - استغفار کریں“

بطور مثال درج ذیل چند واقعات ملاحظہ فرمائیں جن سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ صحابہ کرام کی عادت تھی:

۱۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والا واقعہ یاد کریں۔ اس میں ہے:

”وكان إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فركع فيه ركعتين، ثم جلس للناس، فلما فعل ذلك جاءه المخلفون، فطفقوا يعتذرون إليه، ويحلفون له، وكانوا بضعة وثمانين رجلاً، فقبل منهم رسول الله صلى الله عليه وسلم علانيتهم، وبايعهم واستغفر لهم“ (صحيح بخاری: ۴۳۱۸، صحيح مسلم: ۲۷۶۹)

”آپ ﷺ جب کسی سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے، جب آپ نے ایسا کیا تو غزوہ سے پیچھے رہ جانے والے آپ کے پاس آئے اور اپنا اپنا عذر پیش کرنے لگے، قسمیں کھانے لگے۔ ان کی تعداد اسی سے کچھ زائد تھی۔ جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا آپ نے اسے قبول کیا، ان سے بیعت کی، اور ان کے لئے استغفار کیا“

۲۔ یزید بن اسود فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کیا، اور فرماتے ہیں:

آپ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے، تبھی آپ نے پیچھے ایسے دو لوگوں کو دیکھا جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، انہیں لایا گیا اس حال میں کہ دونوں آپ کی ہیبت سے لرزاں و ترساں تھے، آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تم دونوں کو کس چیز نے روکا؟ دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں نماز پڑھ لے، پھر امام کے ساتھ (یعنی باجماعت) نماز پالے تو اسے امام کے ساتھ پھر پڑھ لے، یہ نماز اس کے لئے نفل ہو جائے گی۔

یزید بن اسود فرماتے ہیں: ”فقال أحدهما: استغفر لي يا رسول الله. فاستغفر له“ ”دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ ہمارے لئے استغفار کریں، تو آپ نے ان کے لئے استغفار کیا۔“ (مسند احمد: ۲۱/۲۹، حدیث نمبر: ۱۷۷۶، مسند احمد کے محققین نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔)

۳۔ حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے حجۃ الوداع میں ملے اور فرمایا: ”بأبي أنت يا رسول الله، استغفر لي يا رسول الله“ آپ پر میرے باپ قربان ہوں، آپ میرے لئے استغفار کر دیں۔ آپ نے فرمایا: ”غفر الله لكم“ ”اللہ آپ لوگوں کی مغفرت فرمائے۔“ دیکھیں: (السنن الکبریٰ للنسائی: ۳/۷۷، حدیث نمبر: ۴۵۳۹، مسند احمد: ۳۲۲/۲۵، حدیث نمبر: ۱۵۹۷۳۲، مسند احمد کے محققین نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔)

۴۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے جس میں وہ نبی ﷺ سے درخواست کرتے ہیں: ”فاستغفر لي ولأمي“، قال: غفر الله لك يا حذيفة ولأهلك یعنی میرے اور میری ماں کے لئے استغفار کر دیں، آپ نے کہا: اے حذیفہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے ماں کی مغفرت فرمائے۔ (مسند احمد: ۳۸/۳۵۵، مسند احمد کے محققین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وهذا إسناد صحيح على شرط مسلم“۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۲/۲۶۶)

۵۔ صحیح بخاری، باب غزاة اوطاس (۵/۱۵۵ حدیث نمبر: ۴۳۲۳) میں ابو عامر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قصہ مروی ہے۔ ابو عامر رضی اللہ عنہ کو دشمنوں میں سے ایک جشمی شخص نے ایک تیر مارا تھا، جس کا بدلہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس دشمن کو قتل کر کے لیا تھا، ابو عامر رضی اللہ عنہ کی اسی تیر سے شہادت واقع ہوئی۔ وفات سے پہلے انہوں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کہا: ”يا ابن أخي أقرئ النبي صلى الله عليه وسلم السلام، وقل له: استغفر لي“ ”یعنی اے میرے بھتیجے نبی ﷺ کو میرا سلام کہنا اور آپ سے کہنا کہ میرے لئے استغفار کریں“ حسب وصیت انہوں نے آپ ﷺ تک ان کا سلام پہنچایا اور ان کے لئے استغفار کی درخواست کی۔ آپ نے پانی منگوا یا، وضو کیا، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کی: اللهم اغفر لعبيد أبي عامر، اللهم اجعله يوم القيامة فوق كثير من خلقك من الناس۔ یعنی اے اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔ اے اللہ اسے قیامت کے دن اپنی بہت سی مخلوق سے بلند تر درجہ عطا فرما۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تب میں نے کہا: میرے لئے بھی مغفرت کی دعا کر دیں۔ تب آپ نے یہ





# فہرست: یہود و نصاریٰ کا طریقہ

حافظ خلیل الرحمن عبدالستار سنابلی

قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ آخری آسمانی کتاب ہے جو رسول عربی حضرت محمد ﷺ کو دی گئی، اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک ہے اور اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے جیسا کہ اللہ نے قرآن میں بیان کیا اور فرمایا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سورة الحجر: ۹) ”بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“

اسی حفاظت الہی کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود یہ کلام مقدس اپنی اصلی شکل میں آج بھی باقی اور سالم ہے۔

قرآن مجید سے پہلے بھی اللہ نے کئی آسمانی کتابوں کا نزول کیا، جیسے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، لیکن ان میں سے کوئی بھی کتاب آج اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی اور ان کتاب کے مخاطبین نے مرور زمانہ کے ساتھ اس میں من مرضی تبدیلیاں اور تحریفات کر دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب کتابیں چوں چوں کا مرہ بن گئیں اور اصلی و نقلی تعلیمات سب ایک جگہ جمع ہو گئیں گویا کہ یہ پہچاننا مشکل ہو گیا کہ کون سی تعلیمات الہی ہیں اور کون سی انسانی یا شیطانی؟

محترم قارئین! یہود و نصاریٰ کی جانب سے کی جانے والی تحریفات کی مثالوں کو بیان کرنے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ قرآن کی ان دلائل کا تذکرہ کر دیا جائے جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کی، بطور نمونہ چند دلائل پیش خدمت ہیں:

۱۔ ﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يَحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (سورة البقرة: ۷۵) ”اور ان میں سے (یہودیوں) ایک جماعت اللہ کے کلام کو سنتی ہے پھر سمجھنے اور جاننے کے باوجود اس

میں تحریف کرتی ہے‘

۲۔ ﴿قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَوْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبْتُ أَتُيَدِّهِمْ وَيَوَّلُّ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾ (سورة البقرة: ۷۹) ”ان لوگوں کے لئے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ وہ دنیا کماسکیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے“

آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لئے کلام الہی میں تحریف و تبدیلی کرتے ہیں اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔

۳۔ ﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (سورة آل عمران: ۷۸) ”یقیناً ان میں (اہل کتاب) ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں، اور وہ تو جانتے ہوئے بھی اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں“

تفسیری روایات بتلاتی ہیں کہ اس آیت میں یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے کتاب الہی (تورات) میں نہ صرف تحریف و تبدیلی کی بلکہ دو جرم اور بھی کئے کہ ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف واقعہ تاثر دینے میں وہ کامیاب ہو جاتے، دوسرے وہ اپنی جانب سے لکھی ہوئی باتوں کے تعلق سے یہ کہتے تھے کہ اللہ کی باتیں ہیں یعنی انہیں اللہ کی جانب منسوب کر دیتے تھے۔

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (سورة النساء: ۴۶) ”یہودیوں میں سے بعض یہودی کلمات کو ان کی اصل جگہ سے تحریف اور ہیر پھیر کر دیتے ہیں“

۵۔ ﴿فَمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (سورة المائدة: ۱۳) ”پھر ان کے عہد و پیمان کو توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے، وہ کلام کو اس کی جگہ سے تحریف اور تبدیل کر دیتے ہیں“

ان نصوص قرآنی سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ یہود و نصاریٰ اللہ کی نازل کردہ کتاب میں تحریف کرتے تھے اور کلام الہی کو تبدیل کر دیا کرتے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں لکھی ہوئی باتوں کو اللہ کی جانب منسوب



کر دیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اور دیگر آیات میں اللہ رب العزت نے اور رسول اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں یہود و نصاریٰ کی ان تحریفات کا تذکرہ کیا ہے۔

### تحریف کی مختلف شکلیں:

واضح رہے کہ یہ تحریف لفظی و معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی، تحریف کے لئے چار صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

- ۱۔ حق و باطل کی اس طرح سے آمیزش کرنا کہ وہ ناقابل تمیز ہوں۔ ۲۔ کتمان حق یعنی حق کو چھپانا۔
- ۳۔ کلام کو اس کی اصل جگہ سے ہٹانا جو بجائے خود دو صورتوں میں قابل تقسیم ہے: ۱۔ لفظی ۲۔ معنوی
- ۴۔ متن کو مبہم انداز سے پڑھنا، اس طرح سے کہ اصل معاملہ سننے والے کے لئے مشتبہ ہو جائے۔

### تحریف کی چند مثالیں:

تحریف اور اس کی صورتوں کے تعلق سے جانکاری حاصل کرنے کے بعد اب آئیے تحریف کی چند مثالیں بھی دیکھ لیتے ہیں:

۱۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا وصف اور آپ ﷺ کی نبوت کی بشارت کا تذکرہ قرآن مجید کی طرح تورات اور انجیل میں بھی تھا جس میں یہود و نصاریٰ نے تحریف کی ہے۔

۲۔ تورات کے مطابق شادی شدہ کے زنا کی سزا سنگسار تھی لیکن اس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

اسلامی مآخذ کے مطابق مدینہ کے یہودی اشراف میں سے ایک شادی شدہ مرد اور عورت کے درمیان زنا واقع ہونے پر انہیں رجم کی سزا دینے کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے حکم دینے کی درخواست کی۔ پیغمبر ﷺ نے رجم (سنگسار) کا حکم دیا لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ابن صوری کے کوائف بیان کئے جو یہودیوں کے اقرار کے مطابق مضامین تورات کی نسبت عالم ترین شخص تھا اور اس کو بلوایا اور اس بارے میں اس کی رائے پوچھی گئی۔ ابن صوری نے وضاحت کی کہ تورات میں یہی حکم آیا تھا لیکن علمائے یہود ابتداء میں سرمایہ داروں اور غرباء کے درمیان فرق کے قائل ہوئے اور جب غرباء نے احتجاج کیا اور اس حکم کے ماننے کے منکر ہوئے جبکہ زنا کا یہودی صاحبان ثروت میں زنا کا عمل قبیح رواج پا چکا تھا تو علمائے یہود نے بیٹھ کر صلاح مشورہ کیا اور رجم کے بجائے دوسرے احکام وضع کئے۔

۳۔ حلال و حرام کے مسئلے میں اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرنا، جیسا کہ حدیث کے اندر مذکور ہے:



عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ، قَالَ: ”أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ. فَقَالَ: يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَتْنَ، وَاسْمِعْنِي يَقْرَأَ فِي سُورَةِ بَرَاءَةِ: ﴿اتَّخَذُوا أَخْبَارَهُمْ وَزُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۱)، قَالَ: أَمَّا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ“ (سنن الترمذی: ۳۰۹۵، حسن) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کی ایک صلیب تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو الگ کر دو، اور میں نے سنا کہ آپ ﷺ سورہ توبہ کی یہ آیت تلاوت کر رہے ہیں: ﴿اتَّخَذُوا أَخْبَارَهُمْ وَزُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”کہ ان لوگوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے علاوہ معبود بنالیا،“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ لوگ ان کے لئے کسی چیز کو حلال کر دیتے تھے تو وہ اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جب وہ لوگ کسی چیز کو حرام کر دیتے تھے تو وہ اس کو حرام سمجھ لیتے تھے“

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ یا ان کے علماء دنیاوی مفاد کے لئے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لیا کرتے تھے اور ایسا کر کے درحقیقت وہ اللہ کے دین میں تحریف و تبدیلی کرتے تھے کیونکہ حلال و حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا ہے۔

یہ اور ان جیسی کئی مثالیں ہیں جو یہود و نصاریٰ کی جانب سے تحریف کے ضمن میں پیش کی جاسکتی ہیں، سردست یہ تین مثالیں ان کی اس جرأت کو بتلانے کے لئے کافی ہیں، ان کی اسی تحریف کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے ان میں سے ایک پر اپنا غضب نازل کیا تو دوسرے کو گمراہ اور بھٹکا ہوا قرار دے دیا، آج کے اس دور میں بھی اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان رکھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے بعض دعوے دار مسلمان اپنے مطلب اور دنیاوی مفاد کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں برملا تحریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کا یہ اعلان ہے کہ: ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے امام کے قول کے خلاف ہو تو پھر اس آیت یا حدیث کی تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ سمجھا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو اپنے سامنے یہود و نصاریٰ کی مثال رکھنی چاہئے کہ کس طرح تحریف کے نتیجے میں اللہ نے ان پر سزا اور عذاب نازل کر دیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی اس جسارت پر اللہ انہیں بھی کسی مشکل یا پریشانی میں ڈال دے۔

اللہ ہمیں اسلامی تعلیمات میں تحریف و تبدیلی کے عمل سے بچتے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

# رسول ﷺ کی بعثت کا مقصد

ممتاز احمد السلفی داعی جمعیت اہل حدیث گلبرگہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے سب سے پہلے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو اس دنیا میں بسایا اور انہی کے ذریعہ سے تو والد و تناسل کا سلسلہ چلا، انسانوں کے اس دنیا میں آباد ہونے کے بعد ان کی اصلاح اور ہدایت و رہنمائی کے لئے اور ان کے مقصد تخلیق کی یاد دہانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کا مقدس گروہ اس دنیا کے اندر بھیجا جنہوں نے انسانوں کی عمدہ معاشرت، صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے کے لئے مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم ہدایت کا چراغ روشن کیا، ان کی روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، ان کے جذبات و احساسات کے نقشے درست کئے، ان کے عروج و زوال کے فن مرتب کئے جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی، اخلاق و سیرت انسانیت کا جو ہر قرار پایا، نیکی و بھلائی ایوان عمل کے نقش و نگار ٹھہرے، اللہ اور بندوں کا رشتہ باہم مضبوط ہوا۔ انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے عدم واقفیت انسان کے لئے بلاشبہ ناکامی کا باعث ہوتے، ان پاک و برگزیدہ طبقہ انسانی کے احسانات اور عنایات ہم سب انسانوں پر سب سے زیادہ ہونے کے ناطے ہر فرد انسانی پر، خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتا ہو، ان کی شکرگزاری کا اظہار واجب اور ضروری ہے۔

کتاب و سنت کی تعلیمات اور تاریخ کے جھروٹوں سے یہ حقیقت واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر امت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مبعوث کئے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا بیان ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ ”ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو“ (سورۃ النحل: ۳۶)

بعثت انبیاء کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ اس سلسلے کی آخری کڑی کے طور جناب محمد کریم ﷺ اس دنیا میں تشریف لے آئے جو ماہ ربیع الاول میں سرزمین مکہ میں پیدا ہوئے اور عمر کے چالیس سال مکمل ہونے پر نبوت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں، بعدہ ۲۳ سالہ نبوی زندگی گزار کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ ایک نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں اور صرف ایک رسول نہیں بلکہ خاتم المرسلین ہیں، لہذا آپ کا مقصد بعثت یقیناً وہ بھی ہے جو تمام انبیاء و رسل کا بنیادی اور اساسی مقصد بعثت تھا، اسی لئے تمام انبیاء و رسولوں کی مقدس جماعت میں آپ کا منفرد مقام ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کی سیرت مطہرہ کے مختلف گوشے ہیں جو آپ کے لئے ماہ الامتیاں ہیں ان میں سے صرف ایک گوشہ یعنی بعثت کے مقاصد کے حوالے سے چند باتیں کتاب و سنت کی روشنی میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کے مبعوث کئے جانے کے بنیادی مقاصد میں سے پہلا اور اہم مقصد عقیدہ توحید کی حقیقت سے لوگوں کو روشناس کرانا اور ان کی پیشانی کو مختلف معبودان باطلہ کے سامنے جھکنے سے روک کر ایک اللہ کے سامنے جھکانے کی تعلیم دینا تھا، چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت جب جب گمراہ ہوئی تو ان کے عقائد کی اصلاح کے لئے اللہ نے انبیاء کی بعثت فرمائی۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ ”اور ہم نے ہر امت کے اندر ایک رسول بھیجا کہ وہ لوگوں کو یہ دعوت دیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو“ (سورۃ النحل: ۳۶)

چنانچہ نبی ﷺ نے اسی نقطے کو اپنی دعوت کا مرکزی نقطہ بنایا اور آغاز نبوت ہی سے لوگوں کو اسی عقیدہ کی تعلیم دینا شروع کیا۔ جیسا کہ مکہ کی تیرہ سالہ نبوی زندگی اس بات کی مکمل گواہی دیتی ہے جہاں آپ نے اس قدر لمبی مدت تک عقیدہ توحید کے پیغام کو عام کیا اور جس کے لئے ہر طرح کے مصائب و آلام کو برداشت کیا۔

۲۔ آپ ﷺ کی بعثت کا دوسرا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کا محبوب و پسندیدہ دین، مذہب اسلام کو بقیہ دیگر ادیان و مذاہب پر غالب کرنا تھا۔ چنانچہ اللہ کا واضح ترین فرمان قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ ”وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب



کر دے اگرچہ مشرکین اسے ناپسند کریں‘ (الصف: ۶۱)

۳۔ آپ ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے یہ بھی ایک خاص مقصد تھا کہ آپ لوگوں کا تزکیہ کریں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ اللہ نے اس مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ ”وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“ (سورۃ الجمعة: ۲)

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ نے نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنانا، لوگوں کو پاک کرنا، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بیان کیا ہے، اسی طرح سے نبی ﷺ کے معلم ہونے کی وضاحت ایک حدیث پاک کے اندر ملتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”وانما بعثت معلما“ ”کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے“ (الزهد والرفائق لابن مبارک: ۱۳۸۸)

۴۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بھی تھا کہ آپ اخلاق کے عمدہ پہلوؤں کو بیان کر دیں، چنانچہ اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے نبی ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”بعثت لأتمم حسن الاخلاق“ ”مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے“ (موطا: ۳۳۵۷)

۵۔ نبی ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک اہم مقصد یہ تھا کہ تاکہ لوگوں کے پاس اللہ کے مقابل اللہ کے یہاں کوئی حجت باقی نہ رہ جائے، رسولوں کے بعد وہ کوئی عذر نہ کر سکیں، محاسبہ اخروی کے وقت کوئی بہانہ نہ بنا سکیں کہ اے اللہ! ہمیں تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَى﴾ ”اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پیشتر تیری آیات کی پیروی کر لیتے“ (سورۃ طہ: ۱۳۴)

اسی عذر کو ختم کرنے کے لئے اللہ نے وقتاً فوقتاً انبیاء و رسل کو بھیجا اور اسی سلسلے کی آخری کڑی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس مقصد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا:

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾  
 ”یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا بشارت دینے والے بنا کر اور خبردار کرنے والے بنا کر، تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر نہ رہ جائے، اللہ بڑا غالب اور بڑا حکمت والا ہے“ (سورۃ النساء: ۱۶۵)

۶۔ نبی ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد قرب قیامت سے لوگوں کو آگاہ کرنا تھا۔ قیامت کی آمد یقینی ہے اس سلسلے میں تمام انبیاء کرام نے اپنی امت کو یقین دلانے کی کوشش کی، خود قرآن مجید نے اس عقیدے کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور شریعت اسلام نے ایمانیات کے باب میں اس کو شامل کیا، قیامت انتہائی قریب ہے جسکی قربت کو بتانے کے لئے نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔ چنانچہ نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:  
 ”بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ هَكَذَا“ ”یعنی میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں“ اور پھر نبی ﷺ نے دونوں کی قربت کو انگلیوں کے اشارے سے واضح کیا۔ (البخاری: ۶۵۰۳)

۷۔ نبی ﷺ کی بعثت اس لئے ہوئی کہ آپ کی اتباع کر کے اللہ کی محبت حاصل کی جائے، اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے“ (سورۃ آل عمران: ۳۱)

۸۔ نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ سے اپنا صحیح تعلق قائم کر کے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کی جائے، اس حوالے سے قرآن کریم میں اللہ نے خود وضاحت فرمائی:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ”یعنی جو لوگ ان پر ایمان لائیں گے، ان کی تعظیم کریں گے، ان کی نصرت و حمایت کریں گے اور جو نور ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے (قرآن مجید) اس کی پیروی کریں گے وہ اصل معنی میں کامیاب ہوں گے (اور میری رحمت خصوصی انہیں لوگوں کے حصے میں آئے گی“ (سورۃ الاعراف: ۱۵۷)

اس طرح کے بیشمار وہ مقاصد تھے جن کی خاطر نبی ﷺ کی بعثت ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے مقاصد بعثت کو سمجھنے اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

# قوم یہود کے جرائم: قرآن کی زبانی

حافظ خلیل الرحمن عبدالستار سنابلی

امت محمدیہ سے پہلے اللہ کے نزدیک سب سے بہترین امت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی اور اللہ نے ان کو دنیا کی ساری امتوں پر فضیلت و برتری عطا کی تھی، اللہ نے ان پر اپنی بے شمار نعمتیں نازل کیں مثلاً ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ نے ان کے درمیان بڑے بڑے انبیاء و رسل بھیجے، کتابیں نازل کیں، فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دی، زمین پر بادشاہت عطا کی، پتھروں سے پانی کے چشمے جاری کئے اور کھانے کے لئے من و سلوئی جیسی نعمت سے بھی نوازا وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر نعمتیں ملنے کے بعد انہیں بدلے میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے سرکشی کی، تکبر اور عناد سے کام لیا، نبیوں سے قیل و قال اور جھٹتیں کیں اور مزید کئی جرائم کا ارتکاب کیا، چنانچہ اگر آپ ان کے جرائم پر نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان لوگوں نے کس قدر اللہ سے دشمنی و عداوت مول لے کر اپنے آپ کو خسارے و نقصان سے دوچار کر لیا، آئیے قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں ان کے جرائم پر ایک نظر ڈال لیتے ہیں:

۱۔ اللہ سے کئے گئے عہد و پیمان کی پامالی: اس عہد کے اندر اللہ کی عبادت کے ساتھ یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں گے لیکن ان لوگوں نے نہ اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے حالانکہ وہ آپ کے نبی ہونے کے تعلق سے تمام صفات کے بارے میں علم رکھتے تھے۔ جیسا کہ اللہ نے ذکر کیا اور فرمایا:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾  
 ”جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانتا ہے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے“ (سورۃ البقرہ: ۱۴۶)

یعنی ان یہودیوں نے اپنے وعدے اور عہد و پیمان کے مطابق حق اور نبی کو پہچاننے کے باوجود اسے تسلیم



نہیں کیا بلکہ ماننے سے انکار کر بیٹھے اور یہ جرم کر کے اللہ کی ناراضگی کو مول لے لیا۔

۲۔ دلائل و براہین اور معجزات کا انکار: ان لوگوں نے جب کبھی جس دلیل اور معجزے کا مطالبہ کیا اللہ نے اس کو پورا کیا اور کئی دلائل و معجزات کا نزول کیا لیکن پھر بھی یہ لوگ سرکشی پر اڑے رہے اور علی الاعلان ان نشانیوں کا انکار کر کے جرم عظیم کر بیٹھے، اس مضمون کو اللہ نے کئی مقامات پر واضح کیا ہے اور ان کے اس جرم سے پردہ اٹھایا ہے۔

۳۔ انبیاء کرام کا قتل: پچھلے دو جرائم ہی کچھ کم نہ تھے کہ ان سے بھی بڑا ایک اور جرم ان لوگوں نے اپنے کھاتے میں درج کر لیا اور اللہ کی طرف سے بھیجے گئے بعض نبیوں کا قتل کر دیا جیسا کہ اللہ نے قرآن میں مختلف مقامات پر اس کی وضاحت کی ہے۔

مثال کے طور پر اللہ رب العزت نے مذکورہ تینوں جرائم کے تعلق سے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَمَا نَقْصِهِمْ مِمَّا قُتِلُوا وَكَفَرِهِمْ بآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ﴾ (یہ سزا تھی) ان کے عہد و پیمان کو توڑنے اور اللہ کی نشانیوں کا انکار کرنے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے، (سورۃ النساء: ۱۵۵)

اس آیت کریمہ سے بات معلوم ہوئی کہ یہودیوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑا، اللہ کی آیات و نشانیوں نیز معجزات و دلائل کا انکار بھی کیا اور اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء کرام کا قتل بھی کیا، اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں بڑے جرائم ہیں جو قوم یہود نے انجام دیا۔

۴۔ تکبر اور فخر و غرور: ان لوگوں کا جرم صرف یہ نہیں تھا کہ انہوں نے اللہ کی بات قبول نہیں کی بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر تکبر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں، ان میں انبیاء کی باتیں داخل نہیں ہوتیں تو ہمارا کیا قصور ہے؟ جیسا کہ اللہ نے ذکر کیا اور فرمایا: ﴿وَقَالُوا اقْلُوبْنَا غُلْفَ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾ ”یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، نہیں نہیں بلکہ ان کی کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں ملعون کر دیا ہے، ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے“ (سورۃ البقرہ: ۸۸)

اور ایک دوسری جگہ اللہ نے اسی چیز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالُوا اقْلُوبْنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْ اَذَانِنَا وَقَرْوَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ اِنَّا عَامِلُونَ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہم میں اور تجھ

میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اب اپنا کام کئے جا، ہم بھی یقیناً اپنا کام کرنے والے ہیں، (سورۃ فصلت: ۵)  
اور ظاہر ہے کہ بندے کا تکبر کرنا اللہ کو کسی بھی صورت میں محبوب نہیں ہے، اللہ ایسے لوگوں کو جہنم میں  
پھینک دینے کی وعید سناتا ہے۔

۵۔ مریم علیہا السلام کو زانیہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا قرار دینا: اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو  
ان کی ماں مریم علیہا السلام کے بطن سے بنا باپ کے پیدا کر کے اپنی کمال قدرت کا مظاہرہ کیا لیکن یہودیوں  
نے نعوذ باللہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ مریم علیہا السلام زانیہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے ناجائز لڑکے ہیں،  
جیسا کہ اللہ نے ان کے اس جرم کا تذکرہ ہوئے فرمایا: ﴿وَبِكْفَرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾  
”اور ان کے کفر اور مریم پر بہت ہی بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے (ان پر عذاب نازل کیا گیا)“ (سورۃ  
النساء: ۱۵۶)

اس آیت میں بہتان سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت ہے۔ آج  
بھی بعض نام نہاد محققین اس بہتان عظیم کو ایک ثابت حقیقت باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ  
یوسف نجار نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے معجزانہ  
ولادت کا بھی یہ یہودی قوم انکار کرتی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے قرآن مجید کے اندر کئی مقامات پر  
حضرت مریم علیہا السلام کی عزت و عصمت کا دفاع کرتے ہوئے ان کی پاکدامنی کا تذکرہ کیا ہے۔ جیسا کہ  
اللہ رب العزت نے سورہ تحریم میں ذکر کیا۔ فرمایا: ﴿وَمَرْيَمُ ابْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ  
مِنْ رُوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ فِيهَا كُتُبٌ رَاقِيَةٌ﴾ (مثال بیان کی) مریم بنت عمران کی  
جس نے اپنے ناموس (شرم گاہ) کی حفاظت کی، پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور اس  
نے (مریم) اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ عبادت گزاروں میں سے تھی،  
(سورۃ التحریم: ۱۲)

اور ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً  
لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”اور وہ پاک دامن عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، پھر ہم نے اپنی طرف سے اس  
میں روح پھونک دی اور خود انہیں اور ان کے لڑکے کو تمام جہان کے لئے نشانی بنادیا“ (سورۃ الانبیاء: ۹۱)  
ان دونوں آیتوں اور ان کے علاوہ دیگر آیات میں بھی اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا

واضح تذکرہ کیا ہے لیکن قوم یہود اس کے برعکس یہ خیال رکھتی ہے کہ نعوذ باللہ وہ زانیہ ہیں اور ان کے بطن سے پیدا ہونے والی شخصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ ولد الزنا ہیں، وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔ ایک نبی اور ان کی ماں کی شان میں اس قدر گستاخی کے ساتھ اللہ کی قدرت کا انکار صرف یہودیوں کا خاصہ ہے۔

۶۔ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش: ایک اور بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ان لوگوں نے خفیہ طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کی اور بطور استہزاء کہنے لگے کہ دیکھو: ہم نے اللہ کے رسول کا قتل کر دیا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کہ ان لوگوں نے نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ ہی سولی دی بلکہ وہ شک و شبہ میں مبتلا ہیں، جیسا کہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے قرآن کی مختصر تفسیر میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۴ کے تحت لکھا ہے کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیر نگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھا وہ کافر تھا، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھر دیئے کہ یہ نعوذ باللہ بغیر باپ کے ہے اور فساد دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن اللہ نے بحفاظت ان کو آسمان پر اٹھالیا اور ان کی جگہ ان کے ایک ہم شکل آدمی کو انہوں نے سولی دے دی اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے۔

اسی چیز کو اللہ نے ایک دوسری جگہ واضح کیا اور فرمایا: ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (سورۃ النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

”اور یہ کہنے کی وجہ سے (انہیں عذاب سے دوچار ہونا پڑا) کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے عیسیٰ کا شبیہ بنا دیا گیا تھا، یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں سوائے اندازے کی باتوں پر عمل کرنے کے، اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے“

قرآن کے ان دونوں نصوص سے معلوم یہ ہوا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی



اور آسانی کے لئے حکمران کا سہارا لیا لیکن اللہ نے اپنے رسول کی حفاظت کی اور انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا مگر یہودی آج بھی اسی خوش فہمی میں ہیں کہ ہم نے انہیں قتل کر دیا جبکہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ یہ لوگ نہ ہی قتل کر سکے اور نہ ہی سولی دے سکے بلکہ اللہ نے ان کی حفاظت کی۔

۷۔ خود کو اللہ کا بیٹا اور محبوب قرار دینا: اللہ کی ذات تنہا ہے، وہ اکیلا ہے، اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا باپ ہے پھر بھی یہ لوگ خود کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کی ناروا جسارت کر کے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ ”اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں، بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے“ (سورۃ المائدہ: ۱۸)

یعنی ان لوگوں نے اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور اس کا محبوب قرار دیا تو اللہ نے ان کے اس تفاخر کے بے بنیاد ہونے کی وضاحت کی اور کہا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے یا محبوب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تم جو چاہو کرو اللہ تم سے باز پرس نہیں کرے گا تو پھر اللہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ دعوؤں کی بنیاد پر نہیں ہوتا اور نہ قیامت والے دن ایسا ہوگا بلکہ وہ تو ایمان و تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہوگا۔

۸۔ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں: ان لوگوں نے اللہ کی ذات کو بھی نہیں بخشا اور یہ کہہ بیٹھے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں یعنی وہ بخیل ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ بخیل نہیں بلکہ فیاض ہے، وہ محتاج نہیں بلکہ غنی ہے، وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اللہ نے قرآن میں ان کے اس جرم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ ذِيْدُ اللَّهِ مَغْلُوْلَةٌ غَلَّتْ أَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ ”اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کی اس بات کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ کے

دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، (سورۃ المائدہ: ۶۴)

یہود کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعی بندھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں یعنی اللہ نعوذ باللہ بخیل ہے، اللہ نے انہیں حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تو وسیع فضل والا ہے وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، ہاتھ تو ان کے اپنے بندھے ہوئے ہیں اور یہی لوگ بخیل ہیں۔

۹۔ ہفتے کو منع کے باوجود حیلہ کر کے مچھلیاں شکار کرنا: اللہ نے یہودیوں پر ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا حرام کر دیا تھا اسی لئے بطور آزمائش اس دن مچھلیاں زیادہ آتی تھیں لیکن ان لوگوں نے حیلہ سے کام لیا، ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے بنائے ہوئے گڑھوں میں پھنس جاتی تھیں پھر ہفتہ کا دن گزر جانے کے بعد یہ لوگ ان کا شکار کر لیتے تھے۔ جیسا کہ اللہ نے سورہ اعراف کے اندر ذکر کیا اور فرمایا: ﴿وَأَسْأَلُهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَءًآ وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾

”اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریا کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھئے جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں، اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، ہم ان کی اس طرح آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ فسق کیا کرتے تھے“ (سورۃ الاعراف: ۱۶۳)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں انہیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو ہو کر انہیں شکار کی دعوت دیتیں اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آتیں، بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھود لئے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انہیں پکڑ لیتے۔

۱۰۔ بچھڑے کی عبادت: فرعون اور اس کے لشکر کی ہلاکت کے بعد اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کے لئے کوہ طور پر بلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں چالیس دن اور چالیس رات رہے، مدت کی تکمیل کے بعد اللہ نے آپ کو تورات عطا کی لیکن اس اثناء میں ان کی غیر موجودگی میں ان کی

قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی اور اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا، اللہ نے اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ خَلْقِهِمْ عَجَلًا جَسَدًا لَهُ خُورَ أَلْمِيزُوا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُوَ وَكَانُوا ظَالِمِينَ﴾ ”اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا معبود بنالیا جو کہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی، کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا، اس کو انہوں نے معبود قرار دیا اور وہ لوگ ظالم ہیں“ (سورۃ الاعراف: ۱۴۸)

ایک نبی کی موجودگی میں اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے بھی بچھڑے کی عبادت ایک غیر معمولی جرم تھا جسے ان لوگوں نے انجام دیا۔

۱۱۔ کثرت سوال سے رسول کو تنگ کرنا: بنی اسرائیل کا ایک آدمی قتل کر دیا گیا، مقتول کے گھر والوں نے قصاص کا مطالبہ کیا لیکن قاتل کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا تو اللہ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا اس مُردے کے جسم پر لگاؤ، وہ زندہ ہو جائے گا اور قاتل کے بارے میں خبر دے گا لیکن یہودیوں نے گائے اور اس کی صفات کے متعلق بے جا اور غلط قسم کے سوالات موسیٰ علیہ السلام سے کئے اور آپ کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ کیا تو ہمارا مذاق اڑا رہا ہے۔ حالانکہ اگر وہ خاموشی کے ساتھ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو کام بن جاتا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۶۷ سے آیت نمبر ۷۳ تک اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اسی طریقے سے مختلف چیزوں میں ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ضروری اور لایعنی سوالات کر کے انہیں پریشان کیا جبکہ اللہ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا تھا مگر یہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے اور اپنی اس روش کو ترک نہ کیا۔

۱۲۔ جنت میں صرف یہود جائیں گے: ایک اور جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ان لوگوں نے کہا کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو یہودی ہیں۔ جیسا کہ اللہ قرآن میں کہتا ہے: ﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اور ان لوگوں نے کہا کہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے مگر یہودی یا نصرانی، یہ ان کی خواہشات ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو“ (البقرۃ: ۱۱۱)



حالانکہ جنت میں داخلے کی شرط اول اللہ پر ایمان ہے جو ان کے یہاں مفقود ہے، اسی لئے اللہ نے ان کے اس دعوے کو باطل اور مردود قرار دیتے ہوئے اس کے معاً بعد ذکر کیا۔ اور فرمایا: ﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے تو بے شک اس کا رب اسے پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا، نہ غم اور نہ اداسی“ (سورۃ البقرہ: ۱۱۲)

جنت میں داخلے کا مستحق کون ہے اس کا فیصلہ اللہ نے کیا ہے، رہا وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کا کام کرتا ہو اور اس پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ شخص جنت میں نہیں جاسکتا مگر قوم یہود یہ اعلان کرتی ہے کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے، یہ اللہ پر الزام ہے اور ایک جرم ہے جو ان لوگوں نے انجام دیا۔

**محترم قارئین!** یہ یہودیوں کے وہ چند جرائم تھے جن کے تعلق سے اللہ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے، ان کے انہیں کرتوت اور شیطانی حرکتوں کی بنا پر ان کا انجام بھی برا ہوا۔ چنانچہ اللہ نے کبھی تو انہیں بندروں اور خنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیا، کبھی رسولوں کی زبانی ان پر لعنت کی، کبھی انہیں اپنے غیظ و غضب کا مستحق قرار دیا، اور کبھی کہا کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہی یہودی ہیں، کبھی اللہ نے انہیں اپنی نعمتوں سے محروم کر دیا اور کبھی ان کی پوری قوم کو بیک وقت موت کی وقتی نیند سلا دیا۔ غرض یہ کہ قوم یہود اپنے جرائم کی بنا پر روئے زمین کی سب سے لعنتی قوم ٹھہرتی ہے۔ اللہ نے سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ کہہ کر انہیں بے وقوف اور احمق قرار دیا ہے۔

ان کے ان جرائم اور ان کے انجام کے تذکرے کے بعد ہمارے لئے یہ نصیحت کا پہلو سامنے آتا ہے کہ کوئی بھی قوم خواہ اللہ کی وہ کتنی ہی محبوب کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ اللہ کی تعلیمات اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کی پاسداری نہیں کرتی تو اس کا انجام ٹھیک نہیں ہوگا اور اللہ ایسی قوم کو لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے۔ ہم مسلمان اس وقت خیر امت ہیں لہذا ہمیں قوم یہود کے واقعات سے سبق لیتے ہوئے خیر امت کی صفات اپنے اندر پیدا کرنی کی کوشش کرنی چاہئے، بصورت دیگر ہمارا معاملہ بھی انہی جیسا ہو سکتا ہے۔

\*\*\*

\*

## صحابہ کرام کی شان میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول بلا شبہ ثابت ہے۔

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، اما بعد:

محترم قارئین! صحابہ کرام کی شان میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان سنن ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہے: ”لَا تَسْبُوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً، خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمْرُهُ“ جب یہ فرمان لوگوں کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بعض نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے اور حوالہ کے طور پر شیخ زبیر رحمہ اللہ کی تحقیق سے شائع ہوئی ابن ماجہ کا حوالہ دیا۔

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ میرے بھائیو اور بہنو! یہ اثر بلا شبہ صحیح ہے۔ تفصیل پیش خدمت ہے:

❁ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوينی، المعروف بابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۳ھ) فرماتے ہیں: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، وَعُمَرُو بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ نُسَيْرِ بْنِ ذُعْلُوقٍ، قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: ”لَا تَسْبُوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً، خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمْرُهُ“

(ترجمہ) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”محمد ﷺ کے صحابہ کو گالی نہ دو، برانہ کہو کیونکہ ایک گھڑی کے لئے کسی صحابی کا (محمد ﷺ کے ساتھ) ٹھہرنا، تم میں سے کسی کی پوری زندگی کے عمل سے بہتر ہے“

(تخریج) سنن ابن ماجہ بتحقیق الالبانی: ۱۶۲، فضائل الصحابة للإمام احمد بتحقیق وصی اللہ: ۵۷/۱،

ح: ۱۵، وغیرہم.

(حکم حدیث) ”هَذَا اسناد صحيح و رجاله ثقات“۔ ”یہ سند صحیح ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔“

❁ امام بوسیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ): ”هَذَا اسناد صحيح، رجاله ثقات“ (مصباح الزجاجة

بتحقیق الکشناوي: ۲۳/۱، ح: ۵۹)

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ: ”حسن“ (فی تحقیق ابن ماجہ)

✽ مذکورہ اثر پر ایک اعتراض اور اس کا جواب:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اس اثر کی تضعیف کے لئے شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کیا گیا۔ اس لئے راقم ابن ماجہ کی تحقیق سے ان کا پورا کلام پیش کر رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ مذکورہ اثر پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسنادہ ضعیف، سفیان الثوری مذکور فی المدلسین وان کان تدلیسا قلیلا ولم اجد تصریح سماعہ“ ”اس کی سند ضعیف ہے، سفیان ثوری مدلسین میں سے ہیں گرچہ وہ کم تدلیس کرتے تھے۔ مجھے ان کی سماع کی صراحت کو نہیں پاسکا“ (فی تحقیق ابن ماجہ)

راقم با ادب عرض کرتا ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے سماع کی صراحت کر دی ہے۔

دیکھیں: (مسند مسدد بحوالہ المطالب العالیۃ لابن حجر بتحقیق خالد بن عبد الرحمن: ۶۱/۱، ح:

(۴۱۵۷)

اور یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر شیخ زبیر رحمہ اللہ کو اس سماع والی سند کا علم ہوتا تو آپ بھی اس سند کو صحیح کہتے کیونکہ آپ رحمہ اللہ نے اس سند کو صرف سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(فائدہ) نسیر بن ذعلوق الثوری الکوفی، یہ ثقہ راوی ہیں۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام ابو زکریا یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”ثَقَّة“ (تاریخ ابن معین (روایۃ الدارمی)

بتحقیق احمد محمد، ص: ۲۲۱، ت: ۸۳۳)

✽ امام ابوالحسن احمد بن عبد اللہ الحلبي رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ): ”کوفي تابعي ثقة“ ”کوفی، تابعی اور

ثقة ہیں۔“ (معرفة الثقات بتحقیق عبد العليم البستوی: ۳۱۲/۲، ت: ۱۸۴۶)

✽ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ): ”کوفي ثقة“ (المعرفة والتاریخ

بتحقیق اکرم ضیاء العمری: ۸۷/۳)

✽ امام ابوالحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ): ”من أهل الكوفة ثقة“



(سؤالات البرقانی للدارقطنی بتحقیق عبدالرحیم القشقری، ص: ۶۸، ت: ۵۲۴)

✽ امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ، المعروف بابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ): ”ہو عندهم من ثقات الکوفیین“ ”آپ محدثین کے نزدیک کوفیوں کے ثقات روات میں سے ہیں“ (الاستغناء بتحقیق عبد اللہ مرحول: ۱/۶۱۰، ت: ۷۴۵)

### ✽ اب چند باتیں بطور تنبیہ پیش خدمت ہیں:

(تنبیہ نمبر: ۱) امام علی بن احمد، المعروف بابن حزم الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۶ھ) نسیر بن ذعلوق رحمہ اللہ کی بابت فرماتے ہیں:

”وَهُوَ لَا شَيْءٌ“ ”یہ کچھ نہیں ہے“ (المحلی بالآثار: ۲۲۷/۶)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ یہ قول بلاشبہ ناقابل الثقات ہے کیونکہ آپ ثقہ راوی ہیں۔ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لم یصب من ضعفه“ ”جس نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے وہ درستی پر نہیں ہے“ (تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامۃ: ص: ۵۶۰، ت: ۷۱۷۰)

اور مؤلفین تحریر فرماتے ہیں: ”أما تضعیف ابن حزم له، فشبہ لاشيء“ ”رہی بات امام ابن حزم رحمہ اللہ کی تضعیف کی تو وہ نہ ہونے کے مشابہ ہے“ (تحریر تقریب التہذیب: ۱۲/۴، ت: ۷۱۰۷)

(تنبیہ نمبر: ۲) امام ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) ابن ذعلوق رحمہ اللہ پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صدوق“ (تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامۃ، ص: ۵۶۰، ت: ۷۱۰۷)

اس حکم پر مؤلفین تحریر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”بل: ثقة، وثقه ابن معین، والعجلي، ويعقوب بن سفيان، والدارقطني، وابن عبد البر، وقال أبو حاتم: صالح، وذكره ابن حبان في الثقات“ ”بلکہ ثقہ ہیں۔ امام ابن معین، امام عجل، امام یعقوب بن سفیان، امام دارقطنی، امام ابن عبد البر رحمہم اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ ان کی بابت ”صالح“ فرماتے ہیں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کو (اپنی کتاب) الثقات میں ذکر کیا ہے“ (تحریر تقریب التہذیب: ۱۲/۴، ت: ۷۱۰۷)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

# اسلامک انفارمیشن سینٹر اور اس کی سرگرمیاں



مندرجہ بالا ہماری دعوتی و رہنمائی سرگرمیاں ہیں جنکا مقصد اسلام کی صاف و شفاف تعلیمات کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا، اسلام کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کازالہ کرنا اور لوگوں کے دکھ درد میں انکی مدد کرنا ہے۔ بلاشبہ یہ تمام کام اللہ کی توفیق اور اہل خیر کے تعاون سے ممکن ہو پاتے ہیں۔ چنانچہ ہماری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہماری دعوتی و رہنمائی سرگرمیوں میں ہمارے شریک اجر بنیں اور اپنے صدقات، زکاۃ اور عطیات سے سینٹر کا تعاون کریں۔ اللہ رب العزت آپ کے تعاون کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

## For Bank Transfer

Bank Name : ICICI Bank (Savings)  
Account Name : ILM Foundation  
Account Number : 102801002071  
IFSC Code : ICIC0001028  
MCR Code : 400229097  
Branch : Andheri Link Road, Mumbai

## For Transfer Through PayTm



PayTm Number 8291063765

## For Contact Or WhatsApp

+91 9773112909  
+91 8291063785  
+91 8291063755

## For Transfer Through UPI



UPI QR Code



حلالی جوڑے بیس سال تک بھی ایک ساتھ رہیں تو بھی زنا کار ہوں گے۔  
ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (الموتوفی: ۲۱۱) نے کہا:

عن سفیان الثوري عن عبد الله بن شريك العامري، قال: ”سمعت ابن عمر يسأل عمن طلق امرأته ثم

ندم، فأراد أن يتزوجها رجل يحللها له؟ فقال له ابن عمر: كلاهما زان، ولو مكثا عشرين سنة“

عبداللہ بن شریک العامری کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو (تینوں) طلاق دے دیا، پھر شرمندہ ہوا اور ارادہ کیا کہ کوئی دوسرا شخص اس عورت سے شادی کر کے اس کے لئے حلال کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”دونوں زنا کرنے والے ہوں گے گرچہ بیس سال تک ایک ساتھ باقی رہیں“۔ (مصنف عبدالرزاق، ت الأعمش: ۲۶۶/۶، رقم

: ۱۰۷۷۸، وإسناده حسن، المحلى بالآثار: ۴۲۳/۹، واللفظ له، وانظر: عمدة القاري: ۲۳۶/۲۰)

(کفایت اللہ سنابلی)

## Please Help Ahlus Sunnah

Every Month, Ahlus Sunnah is sent free of cost to many Masjids, Madrasas, Jamiaat, Library, and many individuals. we seek your help to sustain this.

## اہل السنۃ کا تعاون کریں

مجلد اہل السنۃ مختلف مساجد، مدارس، جامعات، لائبریریوں اور بعض حضرات کو ماہانہ مفت ارسال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

Special Help 5000/- خصوصی تعاون

Yearly Help 3000/- سالانہ تعاون

Monthly Help 300/- ماہانہ تعاون

DONATE TO



Bank Name : ICICI Bank (Current Account)  
Account Name : Ahl Us Sunnah  
Account Number : 102805001781  
IFSC Code : ICIC0001028  
Branch : Andheri Link Road Branch

Call For Confirmation : +91 8657458182